صُحُفًا مُّطَهَّرَةً فِيهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ

سلسلۂ دار المصنفین

(نمبر ۳۹)

مقالاتِ شبلی

(ادبی)

جلد دوم

مولٰنا شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ

کے

تمام ادبی مضامین کا مجموعہ جن کو مختلف رسالوں سے یکجا کیا گیا ہے

باہتمام مسعود علی، ندوی

مطبع معارف اعظم گڈھ طبع شد

۱۹۵۰ء ۱۳۶۹ھ

طبع دوم

فہرست مضامین

مقالاتِ شبلیؒ جلد دوم

دیباچہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

"مقالاتِ شبلی" کی دوسری جلد جس مین مولانا مرحوم کے دس۱۰ ادبی مضامین شامل ہین پیشکش ہے، ان مین سے صرف دو مضمون "سر سید مرحوم اور اردو لٹریچر" اور "املا اور صحتِ الفاظ"، علی گڈھ کالج منتھلی میگزین بابت ۱۸۹۸ء سے لئے گئے ہین، اور "اردو ہندی" معارف مین چھپا تھا، بقیہ کل مضامین الندوہ سے لئے گئے ہین، "فنِ بلاغت" والے مضمون کا کچھ حصہ موازنہ انیس و دبیر مین داخل ہے مگر کسی قدر تغیر کے بعد،

"شعر العرب" پر مولانا پوری کتاب لکھنا چاہتے تھے، مگر دو نمبرون سے زیادہ نہ لکھ سکے، دوسری جلدین بھی بتدریج شائع ہون گی،

سید سلیمان ندوی

۱۳ اگست سنہ ۱۹۳۱ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عربی زبان

دنیا میں یوں تو سیکڑوں ہزاروں زبانیں مروج اور مستعمل ہیں لیکن سب کی اصل الاصول صرف تین زبانیں ہیں، ایک سامی جو سام بن نوح کی طرف منسوب ہی، اس زبان سے جو زبانیں پیدا ہوئیں، وہ عربی، عبرانی، سریانی، کلدانی، نبطی وغیرہ ہیں، ان زبانوں میں بعض اوصاف ایسے پائے جاتے ہیں، جو انہی کے ساتھ مخصوص ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ ان میں بعض حرف ایسے ہیں جن کا تلفظ اور کوئی قوم نہیں کر سکتی، مثلاً ح، ع، ق، ص، ض، ط، ظ، دوسرے یہ کہ ان زبانوں میں مذکر اور مونث کے لئے ضمیریں اور افعال جدا جدا ہیں، تیسرے یہ کہ ان زبانوں میں اسم، فعل، حرف، ہر ایک کے ساتھ ضمیر لاحق ہو سکتی ہے، اس امر میں اختلاف ہے کہ ان سامی زبانوں میں نسبتہً قدیم کون زبان ہی، قدما کا عام خیال یہ تھا کہ عبرانی سب سے زیادہ قدیم ہے، یورپ کے اکثر متاخرین سریانی کو قدیم تر بتاتے ہیں لیکن حق یہ ہے کہ یہ شرف عربی زبان کو حاصل ہے اس کے دلائل حسب ذیل ہیں :-

عربی، سریانی اور عبرانی میں سب سے قدیم زبان کون ہے

۱- عبرانی اور سریانی زبان میں جس قدر الفاظ کے مادے ہیں، عربی میں سب موجود ہیں، بخلاف اس کے عربی زبان میں بہت سے مادے ہیں جو عبرانی اور سریانی زبانوں میں نہیں، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ عربی زبان اصل تھی اس لئے تمام مادے اس میں موجود تھے، عبرانی اور سریانی زبانیں چونکہ زمانۂ مابعد کی

زبانین تھین، اس لئے بہت سے مادے متروک ہوگئے،

۲- عربی مین جس قدر افعال ہین سب قیاس کے موافق ہین، بہت کم الفاظ ہین جن مین خلاف قاعدگی اور شذوذ پایا جاتا ہے، بخلاف اس کے سریانی اور عبرانی مین جس قدر الفاظ قیاس کے موافق ہین، اس سے زیادہ اسی کے مخالف ہین، اور یہ ظاہر ہے کہ جو زبانین جس قدر زیادہ قدیم ہوتی ہین، اُسی قدر اُن مین اصول اور قاعدہ کی پابندی پائی جاتی ہے،

۳- عبرانی اور سریانی زبانون مین بہت سے ایسے الفاظ ہین جن کی اصل معلوم نہین اور یہ پتہ نہین لگتا کہ یہ کن الفاظ سے مشتق ہین، لیکن عربی زبان مین ان الفاظ کی اصلین اور مشتق منہ موجود ہین،

۴- عبرانی اور سریانی مین اکثر الفاظ کے اجزاے اصلیہ جاتے رہے ہین لیکن عربی زبان مین موجود ہین مثلاً انت اور انتم کا نون، الف لام، تعریف کالام، جمع متکلم مضارع کا نون

۵- عربی مین جن الفاظ مین ضاد کا حرف تھا، عبرانی اور سریانی مین ص اور ع سے بدل دیا ہے، مثلاً ارض، ضان، قبض کو عبرانی مین ارص، صان، قبص کہتے ہین، اور سریانی مین انھی الفاظ کو ارع، عان، قبع کہتے ہین،

یہ الفاظ اگر اصل مین عبرانی ہوتے، تو عربی مین صاد اور سریانی مین ع سے بدلنے کی کچھ ضرورت نہ تھی، کیونکہ ان دونون زبانون مین خود ص کا حرف موجود ہے، اسی طرح اگر یہ الفاظ اصل مین سُریانی ہوتے، تو عربی مین ض اور عبرانی مین ص سے بدلنے کی کوئی ضرورت نہ تھی، کیونکہ عین کا حرف دونون زبانون مین پہلے سے موجود ہے،

اس سے ثابت ہوا کہ یہ الفاظ در اصل عربی ہین اور چونکہ ض عربی کے سوا اور کسی زبان

مین موجود نہین، اس لئے عبرانی نے اس کو ص سے بدل دیا، اور سریانی نے ع سے اسی طرح جن عربی الفاظ مین ذ ہے وہ عبرانی مین ز سے، اور سریانی مین د سے بدل دیئے گئے، مثلاً ذکر، عذر، ذراع کو عبرانی مین زکر، عزر، زروع کہتے ہین، اور سریانی مین دکر، عدر، دراع، اسی طرح جن الفاظ عربی مین ث ہے، وہ عبرانی مین ش سے اور سریانی مین ت سے بدل جاتے ہین مثلاً ثلج، ثعلب، ثقل، ثور، میراث، وثب، اثنان، ثلاثہ کہ یہ سب الفاظ عبری مین ش سے اور سریانی مین ت سے لکھے جاتے ہین،

دلائل مذکورۂ بالا کے سوا ایک بڑی دلیل عربی زبان کے قدیم ہونے کی یہ ہے کہ عبری زبان کی سب سے قدیم تصنیف سفر ایوب تسلیم کی جاتی ہے، اس کتاب مین نہایت کثرت سے عربی الفاظ بھرے ہوئے ہین، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ عربی زبان عبری سے پہلے موجود تھی

یہان ایک شبہہ پیدا ہوتا ہے وہ یہ کہ عبری اور سریانی زبان مین نہایت قدیم زمانہ سے تصنیفات پائی جاتی ہین، بخلاف اس کے عربی زبان کی قدیم سے قدیم تصنیف کا اسلام کے زمانہ سے کچھ ہی پہلے پتہ چلتا ہے،

لیکن اس سے صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ تصنیفات کی حیثیت سے عربی زبان عبری و سریانی سے متاخر ہے، اور یہ صحیح ہے کیونکہ عرب مین علوم وفنون کا رواج بہت پیچھے ہوا ہے، لیکن اس سے یہ نہین ثابت ہوتا کہ عربی زبان سرے سے موجود ہی نہ تھی، کسی زبان کا وجود اور اس زبان مین تصنیفات کا وجود، دو مختلف امر ہین، اور دونون مین کوئی لزوم نہین،

فنِ بلاغت

مسلمانون نے جو علوم و فنون خود ایجاد کئے، اور جن مین وہ کسی کے مرہون منت نہین، ان مین ایک یہ فن بھی ہے، عام خیال یہ ہے اور خود ہم کو بھی ایک مدت تک یہ گمان تھا کہ یہ فن بھی مسلمانون نے یونانیون سے لیا، ابن اثیر نے مثل السائر مین ایک جگہ لکھا ہے کہ "یونانیون نے فن بلاغت پر جو کچھ لکھا ہے اگرچہ اس کا ترجمہ عربی مین ہو چکا ہے لیکن مین اس سے واقف نہین، اور اس لئے اس فن مین مین نے جو نکتے اضافہ کئے ہین، ان مین سے کسی کا مین مقلد نہین، بلکہ خود مجتہد ہون"

ابن اثیر نے گو اپنے آپ کو یونان کی خوشہ چینی کے الزام سے بچایا ہے لیکن فحوای عبارت سے اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ اصل فن یونان ہی سے آیا تھا، لیکن اب اس خیال کی غلطی علانیہ ثابت ہو گئی، اصل یہ ہے کہ ارسطو نے ایک کتاب ریطوریقا کے نام سے لکھی تھی جس کو اس نے منطق کا ایک حصہ قرار دیا تھا، ریطوریقا وہی لفظ ہے، جس کو انگریزی مین ریٹارک کہتے ہین، اردو مین اس لفظ کا ترجمہ خطابت یا فن تقریر ہو سکتا ہے، یہی کتاب ہے جس کی نسبت لوگون کو دھوکا ہوا کہ مسلمانون کا فن بلاغت اسی سے ماخوذ ہے، اس کتاب کو بو علی سینا نے اپنی کتاب منطقیات شفا مین پورا پورا لے لیا ہے، یعنی اس کے مطالب اپنے الفاظ مین ادا کر دیئے ہین، ابن رشد نے اس کتاب کے اصل ترجمہ کی جو اصلاح کی اس کا بڑا حصہ بیروت مین چھپ گیا ہے، یہ ذخیرے ہمارے سامنے ہین، اور ان سے ثا

ہوتا ہے کہ مسلمانون کا فنِ بلاغت ارسطو کی کتاب سے چھو بھی نہین گیا ہے،

ارسطو کی کتاب کا موضوع یہ ہے کہ جب کوئی تقریر کسی موقع پر کی جائے، تو امورِ ذیل قابلِ لحاظ ہون گے،

۱- مضمونِ تقریر کیا ہے،

۲- مضمون کے مخاطب کون لوگ ہین،

۳- تقریر کرنے والا کون ہے،

ان مختلف حیثیتون کے لحاظ سے تقریر کے مقدمات کس قسم کے ہونے چاہئین، چنانچہ ارسطو نے اس کتاب مین بتایا ہے کہ واعظ، وکیل، حکیم، فریق مقدمہ وغیرہ وغیرہ کی تقریر کے اصول کیا ہین؟ اور ہر ایک کے طریقۂ استدلال کو کس طرح ایک دوسرے سے مختلف ہونا چاہیے، اگرچہ اس مین شبہہ نہین کہ ارسطو کی یہ کتاب نہایت دقیق اور لطیف مباحث پر مشتمل ہے، اور اگرچہ اس کا بھی سخت افسوس ہے کہ مسلمانون نے اس کتاب سے کچھ فائدہ نہین اٹھایا، لیکن بہرحال مسلمانون کا فنِ بلاغت ایک جداگانہ چیز ہے، اور اس کے وہ خود موجد ہین،

فن بلاغت پر جہان تک ہم کو معلوم ہے، سب سے پہلی جو کتاب لکھی گئی ہے، وہ دلائل الاعجاز عبدالقاہر الجرجانی ہے، اس سے پہلے کی تصنیفین بھی ہم نے دیکھی ہین، لیکن درحقیقت ان کو اس فن کی تصنیف نہین کہہ سکتے، دلائل الاعجاز کے بعد اور بہت سی کتابین لکھی گئین، یہانتک کہ مطول اور مختصر معانی پر گویا خاتمہ ہوا،

آج کل یہ فن جس طریقہ سے پڑھا اور پڑھایا جا رہا ہے، اس سے زیادہ کسی فن کی مٹی خوار نہین، طلبہ اور علما ان لفظون اور عبارتون کو جو مختصر معانی وغیرہ مین

مذکور ہین، بار بار دہراتے ہین لیکن خود نہین جانتے کہ ہم کیا کہہ رہے ہین، یہ ایک عام قاعدہ ہے کہ جب انسان کسی فن کے مسائل کو سمجھ لیتا ہے اور اس پر حاوی ہو جاتا ہے تو جہان کہین ان مسائل کا موقع آتا ہے، انسان اس کو استعمال کر سکتا ہے، اور کرتا ہے، مثلاً اگر تم نے عربی فنِ نحو مین مہارت حاصل کر لی ہے تو جب کوئی عربی عبارت تمھارے سامنے آجائیگی، تم اس کو بے تکلف پڑھتے چلے جاؤگے، لیکن فنِ بلاغت کی درس وتدریس کی یہ حالت ہے کہ مختصر معانی اور مطول سو سو بار دہرا چکے ہین لیکن اگر قرآن مجید کی کوئی عبارت یا عربی کا کوئی شعر دیدیا جائے تو ہرگز نہ بتا سکین گے کہ اس مین کیا کیا بلاغت کے اصول پائے جاتے ہین،

اس کی وجہ یہ ہے کہ ان درسی کتابون مین مسائل بلاغت کو اس طرح صاف اور سلجھا کر نہین لکھا ہے کہ طالب علم کے ذہن مین اصل مسئلہ کی تصویر اتر جائے مسئلہ ابھی پورا بیان بھی نہین ہوا ہے کہ اس کے ساتھ لفظی جھگڑے شروع ہو جاتے ہین، اور طالبعلم کا ذہن ان بیہودہ بحثون مین پریشان ہو جاتا ہے،

ایک بہت بڑی وجہ یہ ہو کہ ان مسائل کے لئے کثرت سے مثالین نہین پیش کیجاتین عبدالقاہر جرجانی نے جو مثالین لکھ دی تھین، وہی آج تک چلی آتی ہین، بلکہ اس مین سے بھی بہت سی چھوٹ گئین،

مسائلِ بلاغت کے ذہن نشین کرنے کا سب سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ اپنی زبان مین اس کی مثالین سمجھائی جائین لیکن ہمارے علماء عربی مثالون مین اس قدر محدود ہین کہ کسی اور زبان سے ان مسائل کی مثالین پیش ہی نہین کر سکتے،

ان وجوہ کی بنا پر ہم نے ارادہ کیا ہے کہ وقتاً فوقتاً فنِ بلاغت کے مہماتِ مسائل

اس رسالہ مین اس طرح ادا کئے جائین کہ مسئلہ کی تصویر دل مین اُتر جائے، اور اس غرض کے لئے تمام مثالین اردو کے کلام سے دیجائین، چنانچہ اس پرچہ مین ہم فصاحت کے مسئلہ پر بحث کرتے ہین، جو بلاغت کا پہلا زینہ ہے،

فصاحت کی تعریف علماے ادب نے یہ کی ہے کہ لفظ متنافر الحروف نہ ہو، نامانوس نہ ہو، قواعد صرفی کے خلاف نہ ہو، اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ لفظ درحقیقت ایک قسم کی آواز ہے، اور چونکہ آوازین بعض شیرین، دلآویز اور لطیف ہوتی ہین، مثلاً طوطی و بلبل کی آواز، بعض مکروہ و ناگوار مثلاً کوے اور گدھے کی آواز، اس بناپر الفاظ بھی دو قسم کے ہوتے ہین، بعض شستہ، سُبک، شیرین، اور بعض ثقیل، بھدّے، ناگوار، پہلی قسم کے الفاظ کو فصیح کہتے ہین، اور دوسرے کو غیر فصیح، بعض الفاظ ایسے ہوتے ہین کہ فی نفسہٖ ثقیل اور مکروہ نہین ہوتے لیکن تحریر و تقریر مین اُن کا استعمال نہین ہوا ہے، یا بہت کم ہوا ہے، اس قسم کے الفاظ بھی جب ابتداءً استعمال کئے جاتے ہین، تو کانون کو ناگوار معلوم ہوتے ہین، ان کو فنِ بلاغت کی اصطلاح مین غرابت کہتے ہین، اس قسم کے الفاظ بھی فصاحت مین خلل انداز خیال کئے جاتے ہین، لیکن یہ نکتہ یہان لحاظ کے قابل ہے کہ بعض موقعون پر غریب لفظ کی غرابت اس وجہ سے کم ہوجاتی ہے کہ اس کے ساتھ کے الفاظ بھی اسی قسم کے ہوتے ہین، مثلاً ایک شاعر کہتا ہے:- ع

ذریتِ رسول کی خاطر جلائی نار

نار کا لفظ اس موقع پر نہایت نامانوس اور بیگانہ ہے لیکن یہی لفظ جب فارسی ترکیبون کیساتھ اردو مین مستعمل ہوتا ہے، مثلاً نارِ دوزخ، نارِ جہنم، تو وہ غرابت نہین رہتی،

فصاحت کے مدارج مین اختلاف ہے یعنی بعض الفاظ فصیح ہین بعض فصیح تر بعض اس بھی بڑھکر فصیح، مثال کے طور پر ہم دو چار مثالین نقل کرتے ہین جن سے فصاحت اور

فصاحت کے اختلافِ مراتب کا اندازہ ہو سکے گا (ان مثالون مین ایک ہی مضمون مختلف الفاظ مین ادا کیا گیا ہے)

ع کس نے نہ دی انگوٹھی رکوع و سجود مین ع سائل کو کس نے دی ہی انگوٹھی نماز مین

" آنکھون مین پھری اور نہ مردم کو خبر ہو " آنکھون مین یون پھری کہ مژہ کو خبر نہ ہو

" رویا مین بھی حسین کو رویا ہی کرتے ہین " حسرت ہی کہ خواب مین بھی رویا کیجئے

" جیسے مکان سے زلزلہ مین صاحبِ مکان " جیسے کوئی بھونچال مین گھر چھوڑ کے بھاگے

معانی والفاظ کی مناسبت حسنِ کلام کا ایک بڑا نکتہ یہ ہی کہ مضامین کی نوعیت کے لحاظ سے الفاظ استعمال کئے جائین، لفظ چونکہ آواز کی ایک قسم ہے، اور آواز کے مختلف اقسام ہین، مہیب، پر رعب سخت، نرم، شیرین، لطیف، اسی طرح الفاظ بھی صورت اور وزن کے لحاظ سے مختلف طرح کے ہوتے ہین، بعض نرم، شیرین، اور لطیف ہوتے ہین، بعض سے جلالت، اور شان ٹپکتی ہے بعض سے درد اور غمگینی ظاہر ہوتی ہے، اسی بناپر غزل مین سادہ شیرین سہل، اور لطیف الفاظ استعمال کئے جاتے ہین، قصیدہ مین پر زور، شاندار، الفاظ کا استعمال پسندیدہ سمجھا جاتا ہے، اسی طرح رزم و بزم، مدح و ذم، فخر وادعا، وعظ و پند، ہر ایک کے لئے جدا جدا الفاظ ہین، شعراء مین سے جو اس نکتہ سے آشنا ہین، وہ ان مراتب کا لحاظ رکھتے ہین، اور یہ اُن کے کلام کی تاثیر کا بڑا راز ہے، لیکن جو اس فرقِ مراتب سے واقف نہین یا ہین لیکن ایک خاص رنگ اُن پر اس قدر چڑھ گیا ہے کہ ہر قسم کے مضامین مین ایک ہی قسم کے لفظ ان کی زبان سے ادا ہوتے ہین، ان کا کلام بجز ایک خاص رنگ کے بالکل بے اثر ہوتا ہے یہی نکتہ ہی کہ سعدی سے رزم اور فردوسی سے بزم نہین بنھ سکتی، فردوسی نے جہان حضرت یوسف؈ کی نالہ وزاری کو اپنی کتاب یوسف زلیخا مین لکھا ہے، لکھتا ہے،

ع بعزیز یوسف دگر بارہ نزاد

رزم، بزم، فخر، حسرت، شوق، ہر ایک مضمون کے لئے خاص خاص قسم کے الفاظ موزون ہین، اور ان مضامین کے لئے انھی الفاظ کو استعمال کرنا چاہئے، مثلاً ایک شاعر نے جلال اور غیظ کو ان الفاظ مین ادا کیا ہے،

کم تھا نہ ہمہمہ اسدِ کردگار سے | نکلا ڈکارتا ہوا ضیغم کچھار سے

کیا جانے کس نے ٹوک دیا ہے دلیر کو | سب دشت گونجتا ہے یہ غصہ ہے شیر کو

تھا یہ بپھرا ہوا عباس مرا شیر جوان | سینہ ٔ حربہ پہ رکھے دیتا تھا نیزہ کی سنان

لرزہ تھا رعبِ حق سے ہر اک نابکار کو | روکے تھا ایک شیر جری دس ہزار کو

ان اشعار مین جو الفاظ آئے ہین جس طرح اُن کے معنی غیظ و غضب کے ہین، اسی طرح ان الفاظ کی آواز اور لہجہ سے بھی ہیبت اور غیظ و غضب کا اظہار ہوتا ہے،

کلام کی فصاحت | یہ بحث مفرد الفاظ سے متعلق تھی، لیکن کلام کی فصاحت مین صرف لفظ کا فصیح ہونا کافی نہین، بلکہ یہ بھی ضرور ہے کہ جن الفاظ کے ساتھ وہ ترکیب مین آئے، اُن کی ساخت، ہیئت، نشست، سبکی اور گرانی کے ساتھ اس کو خاص تناسب اور توازن ہو، ورنہ فصاحت قائم نہ رہے گی، قرآن مجید مین ہے ماکذب الفؤاد مارای، فواد اور قلب دو ہم معنی الفاظ ہین، اور دونون فصیح ہین، لیکن اگر اس آیت مین فواد کے بجائے قلب کا لفظ آئے تو خود یہی لفظ غیر فصیح ہو جائے گا، جس کی وجہ یہ ہے کہ گو قلب کا لفظ بجائے خود فصیح ہے، لیکن ماقبل اور مابعد کے جو الفاظ ہین، اُن کی آواز کا تناسب قلب کے لفظ کے ساتھ نہین ہے،

میر انیس کا مصرع ہے: ع فرمایا آدمی ہے کہ صحرا کا جانور، صحرا اور جنگل ہم معنی ہین، اور دونون فصیح ہین، انیس نے مختلف موقعون پر ان دونون لفظون کا استعمال کیا ہے، اور ہم معنی ہونے کی

حیثیت سے کیا ہو، لیکن اگر اس مصرع مین صحرا کے بجائے جنگل کا لفظ آجائے تو یہی لفظ غیر فصیح ہو جائے گا، ذیل کے شعر مین

طائر ہوا مین مست ہرن سبزہ زار مین
جنگل کے شیر گونج رہے تھے کچھار مین

اگر جنگل کے بجائے صحرا لاؤ تو مصرع کا مصرع پھس پھسا ہو جاتا ہو،

شبنم اور اوس ہم معنی ہین، اور برابر درجہ کے فصیح ہین، لیکن اس شعر مین

کھا کھا کے اوس اور بھی سبزہ ہرا ہوا
تھا موتیون سے دامن صحرا بھرا ہوا

اگر اوس کے بجائے شبنم کا لفظ لایا جائے، تو فصاحت خاک مین مل جائے گی، یہی اوس کا لفظ جو اس موقع پر اس قدر فصیح ہے، اس مصرع مین: شبنم نے بھر دیئے تھے کٹورے گلاب کے، شبنم کے بجائے لایا جائے، تو فصاحت بالکل ہوا ہو جائے گی،

اس مین نکتہ یہ ہے کہ ہر لفظ چونکہ ایک قسم کا سُر ہے اس لئے یہ ضرور ہے کہ جن الفاظ کے سلسلہ مین وہ ترکیب دیا جائے ان آوازون سے اس کو خاص تناسب بھی ہو ورنہ گویا دو مخالف سرون کو ترکیب دینا ہو گا، نغمہ اور راگ مفرد آوازون یا سُرون کا نام ہے، ہر سُر بجائے خود دلکش اور دلآویز ہے، لیکن اگر دو مخالف سرون کو باہم ترکیب دیدیا جائے، تو دونون مکروہ ہو جائینگے، راگ کے دلکش اور موثر ہونے کا یہی گر ہے. کہ جن سرون سے اُس کی ترکیب ہو ان مین نہایت تناسب اور توازن ہو،

الفاظ بھی چونکہ ایک قسم کی صوت اور سُر ہین، اس لئے ان کی لطافت، شیرینی، اور روانی اسی وقت تک قائم رہتی ہے، جب گرد و پیش کے الفاظ بھی ایسے ہون، اُن کے مناسب ہون،

دبیر کا مشہور مصرع ہو ع :۔ "زیر قدم والدہ فردوس برین ہے" اس مین جتنے الفاظ ہین یعنی زیر، قدم، والدہ، فردوس، برین، سب بجائے خود فصیح ہین، لیکن اُن کے باہم ترکیب دینے

سے جو مصرع پیدا ہو، وہ اس قدر بھدا اور گران ہے کہ زبان اس کا تحمل نہین کر سکتی، شاید تم کو خیال ہو کہ مصرع کی ترکیب چونکہ فارسی ہوگئی ہے اسلئے ثقل پیدا ہو گیا ہے لیکن یہ صحیح نہین سیکڑون شعرون مین اس قسم کی فارسی ترکیبین ہین لیکن یہ ثقل نہین پایا جاتا، مثلاً میر انیس کہتے ہین:-

مین ہون خالق کی قسم دوشِ محمدؐ کا مکین
مین ہون سردار شباب چمنِ خلد برین

پہلے مصرع مین فارسی ترکیب کے علاوہ توالیِ اضافات بھی موجود ہے لیکن یہ بھدا پن اور ثقل نہین ہے،

جب کسی مصرعہ یا شعر کے تمام الفاظ مین ایک خاص قسم کا تناسب توازن اور توافق پایا جاتا ہے اور اس کے ساتھ وہ تمام الفاظ بجاے خود بھی فصیح ہوتے ہین، تو وہ پورا مصرعہ یا شعر فصیح کہا جاتا ہے یہی چیز ہے جس کو بندش کی صفائی نشست کی خوبی ترکیب کی دلآویزی برجستگی، سلاست اور روانی سے تعبیر کرتے ہین، یہی چیز ہے، جس کی نسبت خواجہ حافظ فرماتے ہین،

صنعت گر است اما شعرِ روان ندارد
آن را کہ خوانی استاد و اگر بنگری بتحقیق

الفاظ کے توازن و تناسب سے کلام مین جو فرق پیدا ہو جاتا ہے، وہ ایک خاص مثال مین آسانی سے سمجھ مین آسکتا ہے، میر انیس حضرت علی اکبر کی اذان دینے کی تعریف ایک موقع پر اس طرح کرتے ہین، ع

تھا بلبلِ حق گو کہ چہکتا تھا چمن مین

اسی مضمون کو دوسرے موقع پر اسی طرح ادا کرتے ہین، ع

بلبل چہک رہا ہے ریاضِ رسول مین

وہی مضمون ہے وہی الفاظ ہین لیکن ترکیب کی ساخت نے دونون مصرعون مین کس قدر فرق پیدا کر دیا ہے،

ائتلاف الوزن مع المعنی

ترکیب الفاظ کے لحاظ سے شعر کی بڑی خوبی یہ ہے کہ کلام کے اجزا کی جو اصلی ترتیب ہو، وہ بحالِ خود قائم رہے، مثلاً فاعل مفعول، مبتدا و خبر، متعلقات فعل جس ترتیب کے ساتھ ہر وقت بول چال مین آتے ہین، یہی ترتیب شعر مین باقی رہے، اگرچہ اس مین شبہہ نہین کہ اس ترتیب کا بعینہٖ قائم رہنا قریب قریب ناممکن ہے، صرف ایک آدھ شعر یا بہت سے بہت شعر دو شعر مین اتفاقیہ یہ بات پیدا ہوجاتی ہے مثلاً سعدی کے یہ اشعار

بدو گفتم کہ مشکی یا عبیری — کہ از بوے دلآویز تو مستم
بگفتا من گلے ناچیز بودم — ولیکن مدتے با گل نشستم
جمالِ ہم نشین در من اثر کرد — وگرنہ من ہمان خاکم کہ ہستم

لیکن چونکہ نظم کا درحقیقت، سب سے بڑا کمال یہی ہے کہ اگر اس کو نثر کرنا چاہین تو نہ ہوسکے، اور یہ اسی وقت ہوسکتا ہے، جب شعر مین الفاظ کی وہی ترتیب باقی رہے، جو نثر مین معمولاً ہوا کرتی ہے، اس بنا پر شاعر کو کوشش کرنی چاہئے کہ اگر اصلی ترتیب پوری پوری قائم نہین رہ سکتی، تو بہرحال اس کے قریب قریب پہنچ جائے، جس قدر اس کا لحاظ رکھا جائیگا، اسی قدر شعر زیادہ صاف، برجستہ، رواں، اور ڈھلا ہوا ہوگا، مثلاً یہ اشعار:-

کچھ تو ہوتے بھی ہین وحشت مین جنون کے آثار — اور کچھ لوگ بھی دیوانہ بنا دیتے ہین
دل نہین مانتا جہان جاؤن — ہائے مین کیا کرون کہان جاؤن

(الندوہ ج ۴ ن ۵ - رمضان ۱۳۲۲ھ)

نظم القرآن وجمہرۃ البلاغۃ

"عام قیاس یہ ہو کہ صاحبِ کمال کسی حالت مین گمنام نہین رہ سکتا، تجربہ اور تاریخ بھی اسی کی شہادت دیتے آئے ہین، لیکن کوئی کلیہ مستثنیٰ سے خالی نہین، مولوی حمید الدین جن کی ایک عجیب وغریب تصنیف کا اس وقت ہم ذکر کرنا چاہتے ہین، اس استثنار کی ایک عمدہ مثال ہین، مولوی صاحب موصوف نے پہلے قدیم طریقہ کے موافق تعلیم پائی یعنی درس نظامیہ کے مطابق فارغ التحصیل ہوئے، پھر مولانا فیض الحسن صاحب شارح حماسہ سے جو میرے بھی استاد ہین، ادب کی تکمیل کی، اس کے بعد انگریزی شروع کی، اور مدرسۃ العلوم مین رہ کر بی اے کی سند حاصل کی، زمانۂ طالب علمی ہی مین سرسید مرحوم کے حکم سے انھون نے سیرت نبوی کے متعلق دو کتابین عربی سے فارسی مین ترجمہ کین، جو مدرسۃ العلوم کے نصاب دینیات مین شامل ہین، اور چھپ کر شائع ہو چکی ہین، مدرسہ سے نکل کر کراچی کے مدرسۃ الاسلام مین عربی کے پروفیسر مقرر ہوئے اور اب تک اسی عہدہ پر ہین، ان کا فارسی دیوان چھپ کر شائع ہو چکا ہو، لارڈ کرزن جب سواحلِ عرب کی مہم پر گئے تھے، تو یہ بھی ساتھ تھے، اور سردارانِ عرب کے سامنے عربی زبان مین لارڈ کرزن کی طرف سے جو تقریر پڑھی گئی وہ انہی کی لکھی ہوئی تھی، اس قسم کے واقعات مین سے ایک واقعہ بھی انسان کی شہرت کے لئے کافی ہو سکتا ہے، لیکن مولوی صاحب اب بھی گمنام ہین، ان کی یہی خواہش ہو اور اگر وہ اس خواہش مین ہمیشہ

کامیاب رہین، تو ہمارا کوئی ہرج نہین،

لیکن اُن کی جس تصنیف پر ہم ریویو کرنا چاہتے ہین، اس کے متعلق ہم اُن کی خواہش کی پیروی نہین کر سکتے، یہ تصنیف (خصوصًا اس زمانہ مین) اسلامی جماعت کے لئے اسی قدر مفید اور ضروری ہے، جس قدر ایک تشنہ لب اور سوختہ جان کے لئے آبِ زلال، اس لئے ہم اس کتاب پر مفصل ریویو لکھنا چاہتے ہین، افسوس ہو کہ مصنف نے یہ کتاب عربی زبان مین لکھی ہے، اور اس لئے عام لوگ اس سے متمتع نہین ہو سکتے، ہم نے اُن سے بارہا کہا کہ اس زمانے مین جو کچھ لکھنا چاہئے، ملکی زبان مین لکھنا چاہئے لیکن اُن کی قدامت پرستی اردو کی طرف اُن کو مائل نہین ہونے دیتی، (اور سچ یہ ہے کہ وہ اردو لکھ بھی نہین سکتے) عربی ہونے کی وجہ سے ہم اُن کی عبارت کے اصلی اقتباسات نہین دے سکتے، بلکہ اس کے مطالب پر اکتفا کرین گے،

نظمِ قرآن یہ امر صاف نظر آتا ہو کہ قرآن مجید کی اکثر آیات مین کوئی خاص ترتیب نہین ہو، ایک آیت مین کسی فقہی حکم کا بیان ہو کہ اس کے بعد ہی کوئی اخلاقی بات شروع ہو جاتی ہو پھر کوئی قصہ چھڑ جاتا ہے، ساتھ ہی کافرون سے خطاب شروع ہو جاتا ہے، پھر کوئی اور بات نکل آتی ہے، غرض یہ کہ عام تصنیفات کا جو طرز ہے کہ ایک قسم کے مطالب یک جا بیان کئے جائین، قرآن پاک کا یہ طرز نہین،

اس کے متعلق قدما کی مختلف رائین ہین، شاہ ولی اللہ صاحب نے لکھا ہے کہ چونکہ قرآن مجید مین عرب کے خطبات کا انداز ملحوظ ہے، اور اُن کے خطبے اسی طرح کے ہوتے تھے، یعنی مختلف مضامین بلا ترتیب بیان کرتے تھے، اس لئے قرآن پاک مین بھی وہی طرز ملحوظ رکھا ہے، اکثر علما کی یہ رائے ہو کہ قرآن مجید کی آیتین، مختلف وقتون مین مختلف ضرورتون کے پیش آنے پر نازل ہوتی رہین، اس لئے اُن مین کوئی ترتیب کیونکر قائم ہو سکتی ہے، مثلاً کسی شخص کی مختلف تقریرون کو

جو اس نے مختلف وقتون مین کین اگر یک جا قلمبند کر دیا جائے تو اُن مین ترتیب کیونکر پیدا ہو سکتی ہے ؟ یہ راے بظاہر بالکل صحیح معلوم ہوتی ہے، کیونکہ یہ مسلّم ہے کہ قرآن مجید نجماً نجماً یعنی جستہ جستہ نازل ہوا ہے، اور ہر سورہ اور ہر ٹکڑے کا شان نزول مختلف ہی، اس لئے ان مین ترتیب کیونکر قائم رہ سکتی ہے بعض علمانے یہ دعویٰ کیا ہو کہ قرآن مجید کی تمام آیتون مین ابتدا سے لے کر انتہا تک، ترتیب اور تناسب ہی، بقاعی نے اس کے ثبوت مین مستقل تفسیر لکھی ہے، جس کا نام نظم الدرر فی تناسب الآیات والسور رکھا ہے لیکن اس کے مطالب جو تفسیرون مین نقل کئے ہین، ان کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ زبردستی تناسب پیدا کیا ہے اور اس قسم کا تناسب، دنیا کی نہایت مختلف بلکہ متناقض چیزون مین بھی پیدا ہو سکتا ہی،

مولوی حمید الدین صاحب نے اسی مسئلہ پر یہ کتاب لکھی ہے وہ اسی اخیر راے کے مدعی ہین یعنی یہ کہ ایک سورہ مین جس قدر آتین ہین، اُن مین ضرور کوئی قدر مشترک ہی اور اس لحاظ سے وہ سب آیتین باہم متناسب ہین،

ان کا دعویٰ ہے کہ جس طرح ہر کتاب کا کوئی خاص موضوع (سبجکٹ) ہوتا ہی اسی طرح ہر سورہ کا ایک خاص موضوع ہے، اور تمام آیتین بالذات یا بواسطہ اسی موضوع سے متعلق ہوتی ہین، ان کا عام استدلال یہ ہو کہ اگر ایک سورۃ کی آیتون مین باہم اس قسم کا تناسب نہین ہی، تو اس کی کیا وجہ ہے کہ جب کوئی سورہ نازل ہونی شروع ہوتی تھی اور مختلف وقتون مین مختلف آیتین نازل ہوتی تھین تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حکم دیتے تھے کہ ان آیتون کو اس سورہ مین داخل کرتے جاؤ، پھر ایک حد تک پہنچ کر آپ فرماتے تھے کہ اب یہ سورہ ختم ہو گئی اور اس کے بعد دوسری آیت شروع ہوتی تھی اگر یہ آیتین اس سورہ سے کوئی خاص مناسبت نہین رکھتی تھین، تو ان آیتون کو انھی سورتون مین داخل کرنے کی کیا ضرورت تھی . بلکہ

سورتون کی تحدید اور تخصیص بھی بے کار تھی، اس سے بڑھ کر یہ کہ روایات سے یہ ثابت ہے کہ بار ہا ایسا ہوتا تھا کہ دو سورتین ساتھ ساتھ نازل ہو رہی ہین، اور جب کوئی آیت نازل ہوتی تھی تو آپ فرماتے تھے کہ اس آیت کو فلان سورہ مین داخل کرو، پھر دوسری آیت نازل ہوتی تھی، تو فرماتے تھے کہ اس کو دوسری سورت مین شامل کرو، اگر اس آیت کو اس سورہ کے ساتھ کوئی خصوصیت نہین تھی، تو جس آیت کو جس سورہ کے ساتھ چاہتے شامل کر دیتے،

اس بنا پر مصنف نے تمام سورتون مین تناسب کا دعوی کیا ہے اور نہایت وقتِ نظر سے ہر جگہ اس کو ثابت کیا ہے،

کتاب کا اصلی موضوع اسی قدر تھا لیکن اس بحث کے ضمن مین قرآن مجید کی فصاحت و بلاغت کی بحث بھی آگئی، مصنف اُن کتابون سے واقف تھا، جو قرآن مجید کی فصاحت و بلاغت پر لکھی گئی ہین، لیکن اس کو نظر آیا کہ یہ تمام کتابین ناتمام ہین، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ فصاحت و بلاغت کا جو فن مرتب کیا گیا تھا، وہ خود ناتمام تھا، اور تمام لوگون نے اسی فن کے موافق قرآن مجید کی فصاحت و بلاغت ثابت کی تھی،

اس بنا پر مصنف نے اصل فن پر توجہ کی اور اس کو ایک نہایت وسیع پیمانہ پر نئے سر سے ترتیب دیا، اور فصاحت و بلاغت کے بہت سے جدید اصول قائم کئے اس طرح ایک اور مستقل کتاب تیار ہوگئی، جس کا نام انھون نے جمہرۃ البلاغۃ رکھا، اس کتاب کی تمہید مصنف نے اس طرح شروع کی ہے :-

فنِ بلاغت

علمائے اسلام نے جب یہ ثابت کرنا چاہا کہ قرآن مجید بلاغت کے لحاظ سے معجز ہے تو

اس بات کی ضرورت پیش آئی کہ پہلے بلاغت کے اصول اور قواعد مرتب کر دیئے جائین، اس کا اصلی طریقہ یہ تھا کہ خود کلام عرب کا تتبع کیا جاتا، اور بلاغت کی جزئیات کا استقصا کر کے اس کے اصول اور ضوابط منضبط کئے جاتے، لیکن جس زمانہ مین یہ کوشش کی گئی، اس وقت عجم کے علوم و فنون کا اثر مسلمانون پر غالب آگیا تھا، اس لئے مسلمانون نے جس طرح اور علوم و فنون، یونان اور فارس سے اخذ کئے، اس فن کے مسائل بھی انہی کی تحقیقات کے موافق مرتب کئے، عجم کے نزدیک بلاغت کے اصلی ارکان تشبیہ اور بدیع ہین، اس لئے علماے اسلام نے بھی انہی چیزون کو بتتم بالشان قرار دیا، حالانکہ اہلِ عرب کے نزدیک بدیع ایک لغو چیز ہے، اور تشبیہ چندان قابلِ اعتنا نہین،

علماے اسلام نے فنِ شعر اور بلاغت کی بنیاد، ارسطو کی کتاب پر قائم کی، ارسطو اگر عرب مین پیدا ہوتا، اور کلام عرب کے تتبع اور استقرار کی بنا پر اس فن کی بنیاد قائم کرتا تو یقیناً اس مقصد مین کامیاب ہوتا لیکن وہ یونان مین پیدا ہوا، وہین تربیت پائی، یونانیون ہی کا کلام اس کے پیش نظر رہا۔ اس لئے شاعری اور فنِ بلاغت کے جو اصول اس نے قائم کئے، یونانی شعراء کے کلام سے مستنبط کر کے قائم کئے، یونان مین شعر کا جو بہتر سے بہتر نمونہ سمجھا جاتا تھا، وہ ہومر اور سوفکلیس کی شاعری تھی، ان دونون نے شاعری کی بنیاد مصنوعی قصون اور حکایتون پر رکھی تھی،

فنونِ لطیفہ کی تدوین کا عام قاعدہ یہ ہے کہ جس چیز کا حسن عام طور پر مسلم الثبوت ہوتا ہے، اس پر نظر ڈالتے ہین، اور اس کے اجزا کی تحلیل کرتے ہین یعنی یہ کہ اس مین کیا کیا باتین پائی جاتی ہین، پھر انہی چیزون کو محاسن قرار دے کر کلیات قائم کر لیتے ہین،

یونان مین ہومر اور سوفکلیس کا کلام، فصاحت و بلاغت مین بے نظیر تسلیم کیا جاتا تھا

ارسطو نے تحلیل کرکے دیکھا تو اُن کا کلام تمام تر حکایتین اور افسانے تھے، اس نے یہ بھی دیکھا کہ یہ حکایتین واقعی نہین ہین بلکہ اکثر مصنوعی اور فرضی واقعات ہین، اس سے اس کو خیال پیدا ہوا کہ کلام کی اصلی خوبی صرف یہ ہی کہ کسی واقعہ کی تصویر کھینچی جائے، واقعہ فی نفسہٖ صحیح ہو یا نہ ہو، اس سے غرض نہین، ارسطو نے یہ بھی دیکھا کہ دو چیزین فی نفسہٖ بدصورت اور کریہ المنظر ہین، ان کی بھی اگر بعینہٖ تصویر کھینچ دیجائے، تو طبیعت کو مزہ آتا ہے، اس سے اُس نے یہ فیصلہ کیا کہ واقعہ صحیح ہو یا غلط لیکن اگر اس طرح ادا کر دیا جائے کہ اس کی تصویر آنکھون مین پھر جائے، تو حسنِ کلام حاصل ہو جائے گا، اس خیال کی امورِ ذیل سے اور بھی تائید ہوتی ہے،

انسان مین محاکات کا مادہ تمام اور حیوانات سے زیادہ پایا جاتا ہے، بچہ وہی کام کرتا ہے جو اورون کو کرتے دیکھتا ہے، اس بنا پر کسی واقعہ کی تصویر کھینچنا انسان کی اصلی فطرت کا اقتضا ہے،

علم فی نفسہٖ ایک مرغوب چیز ہے اور کسی واقعہ کا بیان کرنا بھی ایک طرح کا علم ہی، اس پر واقعہ نگاری مرغوب عام ہے،

ان وجوہ کی بنا پر ارسطو نے محاسنِ کلام کی تمام تر بنیاد انہی دو اصولون پر رکھی، اور اُن کے خلاف جو باتین نظر آئین، اُن کو رد کر دیا، سوفاکلیس پر لوگون نے اعتراض کیا تھا کہ تم نے لوگون کے اخلاق و عادات کی جو تصویر کھینچی وہ اصل کے مطابق نہین، سوفاکلیس نے کہا کہ

"مین نے ان کا ویسا حلیہ بیان کیا جیسا ہونا چاہئے، نہ کہ جیسا ان کا واقعی حلیہ ہی"

سوفاکلیس کا یہ جواب اگرچہ غلط ہے لیکن ارسطو اس کو اپنے اصول کے موافق

پسند کرتا ہے

یونان مین شاعری سے جو کام لیا جاتا تھا، وہ صرف مذاقیہ جلسون کا گرم کرنا ہوتا تھا،
شعرا عموماً مذاقیہ مصنوعی قصّے نظم کرتے تھے، یہان تک کہ شاعر سخن ساز اور دروغ باز کے
لقب سے پکارا جاتا تھا، اس بنا پر ارسطو نے یہ اصول قائم کیا، کہ شاعری کا اصلی مقصد
لطف انگیزی ہے، اور اسی بنا پر اس کی رائے ہے، کہ اگر راست گوئی سے یہ مقصد حاصل
نہ ہو تو شاعر کو واقعہ کا گھٹانا بڑھا دینا جائز ہے،

علماے اسلام نے چونکہ بنیادِ فن ارسطو کے اصول پر قائم کی، اس لئے تمام مسائل
مین وہی ارسطو کے خیالات کا اثر پایا جاتا ہے، ارسطو نے جھوٹے طلسم باندھنے کو کمال
شاعری قرار دیا تھا، علماے اسلام نے بھی یہ اصول قرار دیا کہ احسن الشعر اکذبہ یعنی
اچھا شعر وہ ہے کہ جس مین زیادہ جھوٹ ہو، ارسطو کے نزدیک بلاغت مصوّری کا نام
ہے، اس لئے علماے اسلام کے نزدیک بھی بلاغت کی اصلی روح وروان تشبیہ و تمثیل
ہو کیونکہ تشبیہ بھی درحقیقت ایک قسم کی مصوّری ہے، چنانچہ عبدالقاہر جرجانی نے اسرار البلاغۃ
مین لکھا ہے کہ بلاغت کے مہماتِ مسائل، تشبیہ ہی سے متفرع ہین،

ایک اور امر نے علماے اسلام کو خیال دلایا کہ بلاغت اور شاعری مین جھوٹ کو
سچ پر ترجیح ہے، انھون نے دیکھا کہ استعارہ تشبیہ سے زیادہ لذیذ اور لطیف ہوتا ہے، مثلاً
ان دونون فقرون مین "زید شیر کے مشابہ ہے"، "زید شیر ہے"
پہلا، تشبیہ اور دوسرا استعارہ ہے، اور یہی دوسرا فقرہ زیادہ پرزور اور بلیغ ہے، اب
ان دونون فقرون کو دیکھا تو نظر آیا کہ پہلا فقرہ، واقعیت کا پہلو رکھتا ہے، کیونکہ ایک شجاع
شخص، دلیری اور بہادری مین شیر کا مشابہ کہا جاسکتا ہے لیکن دوسرا فقرہ تمامتر مبالغہ اور

جھوٹ ہے، اس بنا پر یہ رائے قائم ہوئی کہ بلاغت اور شاعری مین جو زور یا لطف پیدا ہوتا ہے وہ مبالغہ اور جھوٹ سے پیدا ہوتا ہے، ان خیالات نے تمام لٹریچر کو مبالغہ اور کذب سے بھر دیا،

ارسطو کے دونون مذکورۂ بالا اصول غلط ہین، ارسطو کا یہ خیال کہ انسان مین محاکات[1] کا مادہ تمام جانورون سے زیادہ ہے محض غلط ہے، اگر فرض بھی کر لیا جائے کہ جانور اور انسان دونون مین محاکات کا مادہ ہے تاہم یہ فرق ہوگا کہ انسان صرف انسانون کی محاکات کرتا ہے، بخلاف اس کے بندر تمام حیوانات اور انسانون کی محاکات کرتا ہے، آدمی کا بچہ جانورون کو بھی بولتے دیکھتا ہے لیکن ان کی بولی کی مطلق نقل نہین کرتا، بخلاف اس کے ہزار داستان یا مینا ہر جانور کی بولی بولنے لگتی ہے، آدمی کا بچہ جو اپنے مان باپ بھائی کے اقوال و افعال کی نقل کرتا ہے، وہ اس بنا پر نہین کہ اس کی فطرت مین محاکات کی قوت ہے، بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ بچہ جب پیدا ہوتا ہے تو اس مین تمام خصائل انسانی بالقوہ موجود ہوتے ہین، یہ خصائل نمونہ اور مثال کے دیکھنے سے اُبھرتے اور ظہور کرتے ہین، بچہ پیدا ہونے کے ساتھ دودھ پینا شروع کرتا ہے اس نے پہلے کسی کو دودھ پیتے نہین دیکھا تھا لیکن چونکہ خدا نے اس کی فطرت مین ایک قوت ودیعت رکھی ہے، اس لئے وقت معین پر خود بخود اس کا ظہور ہوتا ہے، اسی طرح انسان کو جو قوتین عطا ہوئی ہین، وقتاً فوقتاً خود ان کا ظہور ہوتا ہے، نمونہ اور مثال سے اس قوت کو صرف تحریک ہوتی ہے، نہ یہ کہ یہ افعال محاکات کی فطرت کی وجہ سے وجود مین آتے ہین،

ارسطو کا یہ خیال بھی غلط ہے، کہ بلاغت کا مدار کذب سخن سازی، اور مبالغہ پر ہے چنانچہ اس کی حقیقت آگے چل کر واضح ہوگی،

[1] محاکات کا لفظ ارسطو کی تحریر مین بار بار آیا ہے اس لئے اس کے معنی اچھی طرح ذہن نشین کر لینے چاہئین محاکات کے معنی کسی چیز کی نقل اتارنا یا صورت کھینچنا ہے،

ارسطو کے خیالات کے رد کرنے کے بعد مصنف نے خود اس مسئلہ پر نہایت تفصیل سے بحث
کی ہے کہ نطق اور بلاغت کس چیز کا نام ہے؟ اور اس کے کیا اصول و شرائط ہین، اُن کی تقریر
کا خلاصہ حسب ذیل ہے،

انسان فطرۃً ناطق پیدا کیا گیا ہے، انسان اور دیگر تمام جانورون مین جو چیز اصلی مابہ الامتیاز ہے، اور جس کو منطق کی اصطلاح مین فصل کہتے ہین، یہی نطق ہے، لیکن نطق سے آواز یا لہجہ یا راگ مقصود نہین، یہ چیزین بلبل اور طوطی مین بھی پائی جاتی ہین، اور انسان سے بڑھکر پائی جاتی ہین، بلکہ نطق سے یہ مراد ہے کہ دل مین جو خیالات آئین، اُن کا اظہار کر سکے، عقل کا کام سوچنا اور غور و فکر کرنا ہے، غور و فکر سے جو خیال پیدا ہوتا ہے عقل جب اس کو ظاہر کرنا چاہتی ہی تو نطق ہی کے ذریعہ سے کر سکتی ہے، اسی نے نطق عقل کا آلہ ہے،

ارسطو کی پہلی غلطی یہ ہے کہ وہ انسان کی اصلی فضیلت اور اس کا اصلی خاصہ محاکات قرار دیتا ہے، حالانکہ یہ خاصہ محاکات نہین، بلکہ نطق ہے، محاکات بھی نطق ہی کا ایک نتیجہ ہے، انسان مین قوتِ نطق نہ ہوتی تو محاکات بھی نہ ہوتی،

نطق کا کمال دو چیزون پر منحصر ہے، خیالات اور مطالب صحت و خوبی سے ادا کئے جائین

جو مطالب ادا کئے جائین خود بھی عمدہ اور صحیح ہون،

ارسطو اور پیروانِ ارسطو کے نزدیک یہ دوسری شرط ضروری نہین، اُن کے نزدیک نطق کا کام صرف یہ ہی کہ وہ مضمون کو بعینہٖ ادا کرے، مضمون فی نفسہٖ بُرا ہو یا بھلا اس سے غرض نہین، ابو جعفر قدامہ نقد الشعر مین لکھتا ہے کہ

"اگر کسی شعر مین کوئی بیہودہ اور لغو مطلب ادا کیا گیا ہو، تو اس سے شعر کی خوبی پر کوئی اثر نہین پڑتا"

شعر کی خوبی کے لئے اسی قدر کافی ہے کہ جو مضمون ادا کیا گیا کس خوبی اور لطافت سے ادا کیا گیا،

لیکن یہ خیال تمامتر غلط ہے، اور چونکہ یہ ایک اہم بحث ہی اس لئے اس کو ہم کسی قدر تفصیل سے بیان کرتے ہین، یہ مسلّم ہے کہ نطق صرف آواز اور صوت کا نام نہین ہے، بلکہ دو چیزون کے مجموعہ کا نام ہے، آواز اور معنی، اور جب تک ان دونون مین حسُن نہ پایا جائے نطق کا کمال نہین ہو سکتا، خوش چشم آدمی اگر ایک آنکھ کا کانڑا ہو تو حسین نہین کہا جاسکتا، حسُن کلام کی بھی یہی حالت ہے، اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ایک عمدہ اور پُر اثر مضمون نحو و صرف کی معمولی پابندیون مین مقید رہ کر ادا نہین ہو سکتا، اس حالت مین الفاظ مضمون کا حجاب بن جاتے ہین، اور اس وجہ سے مضمون اس حجاب کو چاک کر کے دل مین اترتا ہے، اس کی یہ مثال ہے کہ کوئی بادشاہ ضرورت کے وقت آداب سلطنت چھوڑ کر خود سفیر بن کر جائے اور اپنا پیغام خود پہنچا آئے، اس بیان سے ثابت ہوا کہ حسُن کلام الفاظ کا پابند نہین، اور یہ کہ بلیغ دراصل مضمون ہوتا ہے، نہ الفاظ، لغت مین بلیغ کے معنی پہنچنے والے کے ہین، اور جو چیز دل مین پہنچتی ہے وہ دراصل معانی ہین، نہ الفاظ،

اس تمہید کے بعد اس بات پر لحاظ کرو کہ جب کوئی مضمون فی نفسہ بیہودہ اور لغو ہوتا ہی تو گو کیسے ہی فصیح اور شُستہ الفاظ مین ادا کیا جائے، دل مین جگہ نہین کرتا، بلکہ اُچٹ جاتا ہے، ممکن ہو کہ اس قسم کے مضمون سے کسی احمق اور بد نداق کو مزا آئے، لیکن کلام کی حسن و خوبی کا فیصلہ احمقون کے نداق کے رو سے نہین ہو سکتا، غرض ان اسباب سے کلام مین جب تک مضمون اور معنی کی خوبی نہ ہو دل مین نہین اُتر سکتا، اور اس بنا پر اس کو بلیغ بھی نہین کہہ سکتے، یہی وجہ ہے کہ شعراے عرب کلام کی تعریف حسن مضمون کے لحاظ سے کرتے ہین،

زہیر بن ابی سلمی کہتا ہے،

وذی نعمۃ تممتہا وشکرتہا | وخصم یکاد الحق یغلب باطلہ
دفعت بمعروف من القول صائب | اذا ما اضل الناطقین مفاصلہ
وذی اخطل فی القول یحسب انہ | مصیب فما یلمم بہ فہو قائلہ
عبأت لہ حلما واکرمت غیرہ | واعرضت عنہ وہو باد مقاتلہ

قرآن مجید مین جہان بلیغ کا لفظ آیا ہے، اس معنی مین آیا ہے، مثلاً قل لہم فی انفسہم قولاً بلیغا یعنی اے محمد! ان لوگون سے ایسی بات کہہ جو بلیغ ہو یعنی اُن کے دل مین اُتر جائے، اسی طرح اس آیت مین بھی ولللہ الحجۃ البالغۃ یہی معنی مراد ہین، حاصل یہ کہ جو مضمون جس قدر زیادہ دلنشین اور دلپذیر ہوگا، اسی قدر زیادہ بلیغ ہوگا،

ایک اور واضح مثال سے یہ نکتہ ذہن نشین ہو سکتا ہے، فرض کرو ایک شخص کسی آدمی کو گالیان دیرہا ہے اور گالیون مین ہر قسم کی سخن آرائی، لفاظی، جدّت پسندی، استعارہ بندی صرف کرتا ہے، الفاظ بھی نہایت شستہ، بامحاورہ اور فصیح ہین، توکیا تم اس شخص کو فصیح اور بلیغ کہوگے، !!

اس تمام تقریر سے امور ذیل ثابت ہوئے، کلام کی خوبی، صرف محاکات کا نام نہین، کلام کی غرض وغایت صرف سامعین کو محظوظ کرنا نہین بلکہ عقل کی سفارت اور پیغامبری ہے، کلام سے جو لذّت حاصل ہوتی ہے، وہ اس لئے نہین کہ کلام ایک قسم کی محاکات ہے، اور محاکات انسان کی فطرت مین داخل ہے، بلکہ اس وجہ سے ہے کہ نطق ایک قوت ہے، اور ہر قوت کے استعمال مین انسان کو خواہ مخواہ مزہ آتا ہے، انسان کا اصلی خاصہ محاکات نہین، بلکہ نطق ہے، کلام کی خوبی سچائی پر موقوف ہے،

ان مقدمات سے معلوم ہوگا کہ بلاغت جس چیز کا نام ہے، وہ عقل کی دست وبازو، انسانیت کا عنصر، راستی کی مترجم، اور فخر کا تاج ہے، وہ اس رتبہ کی چیز ہے کہ ایک پیغمبر اولوالعزم کا معجزہ قرار پائے، اسی کا اثر تھا کہ قرآن مجید کے اعجاز نے اعجاز موسوی کو بے حقیقت کر دیا، عصائے موسوی کا معجزہ، یہودیوں یا قبطیوں کو غلامی کی حد سے آگے نہ بڑھا سکا، لیکن اعجاز قرآنی نے لوگوں کو حضیض خاک سے اٹھا کر آسمان تک پہنچا دیا،

لیکن اگر بلاغت کی وہ حقیقت ہو، جو ارسطو نے بیان کی، تو نعوذ باللہ وہ کسی پیغمبر کا معجزہ کیا قرار پا سکتی ہے!!

بلاغت کی ماہیت اور حقیقت بیان کرنے کے بعد، اب ہم اس کے اصول اور آئین مرتب کرنا چاہتے ہیں، لیکن چونکہ بلاغت کا بہت بڑا مظہر، شاعری اور خطبہ پردازی ہے، اس لئے پہلے ہم ان دونوں کی حقیقت سے بحث کرتے ہیں،

شاعری اور خطابت اگرچہ بلاغت کی حیثیت سے برابر کے شریک ہیں، تاہم ان دونوں میں بہت بڑا فرق ہے، شاعری کی حقیقت، خود شاعری کے لفظ سے اچھی طرح سمجھ میں آسکتی ہے، اہل عرب چونکہ شاعری کی حقیقت کو خوب سمجھتے تھے، اس لئے انھوں نے اس کا نام بھی ایسا رکھا، جو خود شعر کی حقیقت پر دلالت کرتا ہے، شاعر کے لفظی معنی صاحب شعور کے ہیں، شعور احساس (فیلنگ) کو کہتے ہیں، یعنی شاعر وہ شخص ہے، جس کا احساس قوی ہو، انسان پر خاص خاص حالتیں طاری ہوتی ہیں، مثلاً رونا، ہنسنا، انگڑائی لینا، یہ حالتیں جب انسان پر غالب ہوتی ہیں، تو اس سے خاص خاص حرکات صادر ہوتے ہیں، مثلاً رونے کی حالت میں آنسو جاری ہوتے ہیں، ہنسنے کے وقت ایک خاص آواز پیدا ہوتی ہے، انگڑائی کی حالت میں اعضا تن جاتے ہیں، اسی طرح شعر بھی ایک خاص

احساس کا نام ہے شاعر کی طبیعت پر رنج یا خوشی یا غصہ یا استعجاب کے طاری ہوتے ہی ایک خاص اثر پڑتا ہے، یہ اثر الفاظ کے ذریعہ سے ظاہر ہوتا ہے، اسی کا نام شاعری ہے، شاعر کا احساس اوروں کے احساس سے قوی ہوتا ہے لیکن اس کے یہ معنی نہین کہ اس کو اوروں کی بہ نسبت زیادہ رنج یا زیادہ خوشی ہوتی ہے، بلکہ اس کے یہ معنی ہین کہ احساس کے وقت اس کی تمام قوتین جوش مین آجاتی ہین، احساس اس کی قوتِ متخیلہ کو، نطق کو، آواز کو، لہجہ کو سب کو یکبارگی مشتعل کر دیتا ہے، شاعر گویا نودمیدہ سبزہ ہے، کہ جب اس پر پانی پڑتا ہے، تو رگ رگ میں سرایت کر جاتا ہے، اور وہ لہلہانے لگتا ہے،

خطیب (لکچرار) کا احساس بھی شاعر کے احساس سے کم نہین ہوتا، لیکن خطیب اس احساس سے مغلوب نہین ہوتا، اس کی غرض دوسرون پر اثر ڈالنا ہوتا ہے، وہ اپنے احساس کو قابو مین رکھ سکتا ہے، اور اس سے اسی حد تک اور اسی ترتیب اور مناسبت سے کام لیتا ہے، جہان تک اوروں کے متاثر کرنے مین کام آئے، شاعر کو صرف موجودہ حالت سے کام ہوتا ہے، لیکن خطیب یہ بھی دیکھتا ہے کہ آئندہ کیا ہوگا، اس بنا پر خطیب شاعر کی بہ نسبت زیادہ عاقل، زیادہ ذکی النفس، زیادہ عالی منزلت ہوتا ہے، اور اسی بنا پر اہلِ عرب شعر کو جادوگری اور خطبہ کو حکمت کہتے ہین،

عام لوگون کا خیال ہے کہ شاعری کی اصلی عنصر تشبیہات اور استعارات ہین، چنانچہ وہ حضرت عیسیٰؑ کے مواعظ کو اس بنا پر ایک قسم کی شاعری سمجھتے ہین کہ وہ تشبیہات سے مملو ہین، لیکن یہ خیال بالکل غلط ہے، شاعر کی اصلی خصوصیت یہ ہے کہ وہ نہایت سریع الانفعال اور موسیقی الطبع ہوتا ہے، جب اس پر کوئی خاص اثر طاری ہوتا ہے تو نغمہ، وزن، رقص کی قوتین جو اس مین فطری ہوتی ہین، دفعۃً تحریک مین آجاتی ہین،

حضرت داؤدؑ پر جب خدا کے احسانات کا اثر غالب آتا تھا، تو بے ساختہ وجد مین آ کر رقص کرنے لگتے تھے، ان کا کلام جس قدر ہے، سرتاپا شعر ہے، جو اُن کے پرجوش دل سے بے ساختہ نکلتا تھا، اسی بنا پر اُن کے اشعار کو فرامیر کہتے ہین، بخلاف اُن کے حضرت عیسیٰؑ پر شاعرانہ احساس غالب نہ تھا، اس لئے انکے کلام مین شاعری کے بجائے حکمت اور فلسفہ ہوتا تھا،

ارسطو نے اس بحث مین بھی سخت غلطی کی ہے، وہ کہتا ہے کہ شاعری کے جذبہ کے وقت انسان جو گانے یا ناچنے لگتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ نغمہ اور رقص ایک قسم کی محاکات ہے یعنی انسان کے دل مین جو جذبات پیدا ہوتے ہین، آواز اور حرکات کے ذریعہ سے وہ انکی تصویر کھینچتا ہے، چنانچہ رقاص جو کچھ گاتے ہین، حرکاتِ رقص کے ذریعہ سے اس کو بتاتے بھی جاتے ہین،

لیکن یہ خیال غلط ہے، اصل حقیقت یہ ہے کہ جذباتِ انسانی، مثلاً رنج خوشی، خوف تعجب شوق، نفرت، یہ چیزین انسان کے دل مین ایک نہایت پرزور حرکت پیدا کر دیتی ہین ...

...... یہی حرکت آواز یا راگ یا رقص، یا تڑپ بنجاتی ہے، مثلاً انسان کو جب ہنسی آتی ہے، تو دل مین ایک قسم کی حرکت پیدا ہوتی ہے یہی حرکت ہنسی بنجاتی ہے، اور چونکہ یہ اشارات حرکات نفسانی کے مشابہ ہوتے ہین اسلئے وہ حرکاتِ نفسانی پر اسی طرح دلالت کرتے ہین جس طرح الفاظ معانی پر دلالت کرتے ہین،

غرض جس طرح نطق ایک فطری چیز ہے، اسی طرح یہ اشارات و حرکات بھی فطری ہین جو بے اختیار سرزد ہوتے ہین، وہ محاکات کی غرض سے نہین کئے جاتے، گو یہ ممکن ہو کہ محاکات کا مقصد اس سے حاصل ہو جائے،

اس موقع پر پہنچکر ایک اور عام غلطی کا رفع کر دینا بھی ضرور ہے، اکثر لوگ شعر اور نثر بلیغ کو ایک سمجھتے ہین، چنانچہ قدما مین ارسطو اور متاخرین مین جان مل کا یہی مذہب ہے، ارسطو کا

خیال ہے کہ محاکات کے مختلف طریقے ہین، اور خود کلام جو محاکات کا ایک خاص طریقہ ہو اس
ین محاکات کے تین ذریعہ پائے جاتے ہین، وزن، الفاظ، نغمہ، یہ چیزین تنہا اور کبھی مل کر واردات
قلبی کی تصویر کھینچتی ہین، یہی محاکات شعر ہین، یہ محاکات کبھی صرف الفاظ کے ذریعہ سے ہوتی ہی
جس طرح سقراط کا مکالمہ اور کبھی الفاظ اور نظم دونون کے ذریعہ سے وزن شعر کے لئے کوئی ضروری
چیز نہین لیکن عام لوگون نے اس کو شاعری کا ضروری جز قرار دیا ہے،

ارسطو کا خیال اس حد تک صحیح ہے کہ وزن پر شعر کا مدار نہین، لیکن اس کے معنی نہین
کہ وزن شعر کے اجزا مین داخل نہین، وزن شعر کا جز ہے، لیکن چونکہ کل کے لئے محض ایک جُز
کافی نہین ہوتا، اس لئے تنہا وزن سے شعر نہین بن سکتا، لیکن ارسطو کی یہ غلطی ہو کہ وہ سقراط
کے مکالمہ اور ہومر کے کلام دونون کو شعر قرار دیتا ہے،

جان مل کی راے اس حد تک صحیح ہے کہ شاعری جذبات کے اظہار کا نام ہو اور یہ
کہ شاعر دوسرون کو نہین بلکہ صرف اپنے آپ کو مخاطب کرتا ہے، اس تشریح سے جان مل نے
شاعر کو خطیب سے الگ کر دیا، اور اس بنا پر وہ سقراط کے مکالمہ کو شاعری نہین کہتا، لیکن جان مل
نے بھی یہ غلطی کی کہ وہ وزن کو شعر کا کوئی ضروری جز نہین قرار دیتا،

اب دوبارہ غور کرو کہ شعر کس چیز کا نام ہے، انسان پر جب کوئی جذبہ طاری ہوتا ہی
تو کسی نہ کسی ذریعہ سے ظاہر ہونا چاہتا ہے، اور چونکہ انسان کی تمام قوتون مین سے نطق سب سے
زیادہ قوی اور اس کی مخصوص قوت ہے، اس لئے یہ جذبہ نطق ہی کے ذریعہ سے ظاہر ہوتا ہی،
جس طرح کہ حیوانات کے جذبات مختلف قسم کی آوازون سے ظاہر ہوتے ہین، مثلاً شعر کا ہمہمہ،
طاؤس کی جھنکار، کوئل کی کوک، وغیرہ وغیرہ بعض وقت یہ جذبہ موزون حرکات کی صورت
مین ظاہر ہوتا ہے، مثلاً طاؤس اور کبوتر کا رقص یا راگ سننے کے وقت سانپ کا لہرانا قدرت نے

جن اشخاص کو نطق اور نطق کے ساتھ نغمہ کی بھی قوت دی ہے، ان سے جذبات کی حالت میں شعر ادا ہوتے ہیں، اور ساتھ ہی وہ غنغنانے بھی لگتے ہیں، اور جب جذبہ زیادہ قوی ہوتا ہے تو رقص کے حرکات بھی سرزد ہونے لگتے ہیں، اس بنا پر شعر وزن نغمہ اور رقص کے مجموعہ کا نام ہے لیکن چونکہ یہ چیزیں جذبات کے کمال شدت کے وقت پیدا ہوتی ہیں، اس لئے ہر شعر میں ان چیزوں کا پایا جانا ضروری نہیں، تاہم کوئی شعر نغمہ اور راگ سے بالکل خالی نہیں ہو سکتا، خود وزن جو شعر کا ایک ضروری جزو ہے، راگ کی ایک قسم ہے، اور یہی وجہ ہے کہ اہل عرب ہمیشہ شعر کو گا کر پڑھتے تھے، اور یہی وجہ ہے کہ شعر پڑھنے کو اہل عرب انشاد کہتے ہیں جس کے معنی گانے کے ہیں، اب تم نے سمجھا ہوگا کہ شعر کو وزن سے، نغمہ سے، رقص سے کیا تعلق ہے، درحقیقت یہ سب ایک ہی مخرج سے نکلے ہیں، البتہ وزن کو شعر سے بہ نسبت نغمہ اور رقص کے زیادہ قوی تعلق ہے اور اسی وجہ سے ہمیشہ لوگ وزن اور شعر کو ایک چیز سمجھتے آئے ہیں،

اس بحث کے بعد مصنف نے بلاغت کے اصول اور قواعد اور جزئیات بیان کئے ہیں، اس کو ہم آیندہ پرچے کے لئے اٹھا رکھتے ہیں،

شعر العرب

رجحانِ طبع کی اور بات ہی ورنہ یہ ظاہر ہے کہ اقتضاے حالات کے لحاظ سے مجھکو شعر العجم سے پہلے شعر العرب لکھنا چاہیے تھا، بلکہ سچ یہ ہی کہ قومی ضروریات کی فہرست مین شعر العجم کا نام سیکڑون نمبرون کے بعد آنے کی چیز ہے، لیکن کیا کیا جائے شعر العرب لکھتا تو سمجھنے والے کہان سے آتے، مدرسون مین فنِ ادب کا مذاق نہین اور کالج والے عربی خود نہین پڑھتے، بلکہ یہ لقمہ زبردستی اُن کے منہ مین ڈالا جاتا ہے، جس کو امتحان کے بعد وہ اگل دیتے ہین،

یہ سب کچھ سہی لیکن یہ کانٹا مرتے دم تک دل سے نہین نکل سکتا کہ عربی شاعری اس قدر وسیع، پراثر اور قومی جذبات سے لبریز اور اس کے متعلق ہماری زبان مین ایک حرف بھی نہین، زیادہ افسوس یہ کہ شعر العرب کیلئے کچھ بہت زیادہ کدو کاوش کی ضرورت نہین، کسی قدیم تصنیف کو سامنے رکھ لیا جائے، اور انہی عنوانون کو کچھ پھیلا کر، کچھ نئے مذاق کا رنگ چڑھا کر لکھدیا جائے، تو اچھی خاصی تالیف ہو جائیگی، اس قسم کی قدیم تصنیفون مین سب سے بہتر اور سب سے جامع ابن رشیق قیروانی کی کتاب العمدہ ہے، اس کا نسخہ ہندوستان مین موجود نہ تھا، مدت ہوئی مین نے بہ صرفِ کثیر مصر کے کتب خانہ سے لکھوا کر منگوایا تھا، لیکن وہ ایک دوست کی نذر ہوا، اور شاید ایشیا سے یورپ مین پہنچ گیا،

اتفاق سے اب کی ڈاک مین جو مصری کتابین آئین ان مین کتاب العمدہ کا بھی ایک

نسخہ تھا، یارِ گم گشتہ کے ملنے سے جو خوشی ہوئی اس کا بیان نہیں ہو سکتا، شعر العرب کی یاد پھر تازہ ہو گئی، کتاب، تو جب لکھی جائے گی لکھی جائے گی، لیکن سر دست اس کتاب کا ریویو لکھتا ہوں جس سے شعر العرب کی داغ بیل پڑ جائیگی، اسی پر کبھی عمارت بھی بنجائیگی، اور مین اس کام کو نہ کر سکوں گا، تو کوئی اور خدا کا بندہ پیدا ہو جائے گا ؏

مردے از غیب بروں آید و کارے بکند

ابن رشیق افریقیہ کا رہنے والا تھا، اس کا باپ ایک رومی غلام تھا، اور زرگری کا پیشہ کرتا تھا، باپ نے ابتدا مین خاندانی پیشہ سکھایا، لیکن اس نے اسی کے ساتھ علوم ادبیہ کی بھی تحصیل کی، اور یہ مذاق غالب آیا کہ ۴۰۶ھ مین قیروان گیا جو افریقیہ کا دار العلم تھا، یہان اس نے ان علوم کی تکمیل کی، لیکن جب وحشی عربون نے اس شہر کو برباد کر دیا تو وہ سسلی چلا آیا، اور مازرہ مین قیام کیا، ۴۶۳ھ مین وفات پائی،

ادب مین اس کی بہت سی تصنیفات ہین، لیکن سب کی سرتاج کتاب العمدہ ہے، جو ہمارے مضمون کا عنوان ہے، علامہ ابن خلدون نے اس کتاب کی نسبت لکھا ہے کہ اس فن مین کوئی کتاب اس درجہ کی نہین لکھی گئی، اس کتاب کا موضوع اگرچہ عرب کی شاعری اور اس کے اصول اور آئین ہین، لیکن چونکہ اس وقت تک زبان یا شاعری کی تاریخ اور اصول و آئین کا منضبط کرنا کوئی فن نہین قرار پایا تھا، اس لئے مصنف نے شاعری کے اصول پر کم اور صنائع و بدائع پر زیادہ لکھا ہے، تاہم جو کچھ لکھا ہے، کسی قدر ترتیب بدل دینے سے مذاقِ حال کے سانچے مین ڈھل سکتا ہے، اور ہم اس وقت ریویو مین بھی مقصد پیش نظر رکھتے ہین .

شاعری کی ابتداء

عرب کا ملک ہزارون برس سے موجود ہے، اس کا تمدن بھی کچھ نو عمر نہین

تاہم تعجب ہو کہ شاعری کا پتہ اسلام سے سو ڈیڑھ سو برس آگے نہین چلتا، سب سے پہلا شاعر جس سے قصیدہ کی ابتدا ہوئی مہلہل بن ربیعہ ہے جو امرالقیس کا ماموں تھا فرزدق کہتا ہے: ع

ومھلھل الشعراء ذاک الاول

امرالقیس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تقریباً ۷۰ برس پہلے تھا، اس لئے مہلہل کا زمانہ بھی اس کے قریب قریب سمجھ لینا چاہیے، یہ بات عرب کی تاریخ کا طغرائے زرین ہے کہ وہان شاعری کی ابتدا شریفانہ اور مردانہ جذبات سے ہوئی، ایران کی طرح مداحی اور خوشامدگوئی مین اس کی زبان نہین کھلی، عرب ہمیشہ سے جنگ جو، بہادر، مہمان نواز، سیرچشم، غیور، اور بلند ہمت تھے، انھی باتون کو نظم مین ادا کرتے تھے، اور یہی اُن کی شاعری تھی، کوئی قبیلہ کسی شاعر کی خانہ جنگیون مین کسی قسم کی مدد کرتا تھا، تو شکریہ کے ساتھ اس کا ذکر کرتے تھے مثلاً امرالقیس نے بنو تیم کی مدح مین کہا،

اقر حشا امرءالقیس بن حجر بنو تیم مصابیح الظلام

سب سے پہلا شخص جس نے بادشاہ کی مدح لکھی وہ زہیر بن ابی سلمیٰ تھا جس نے ہرم بن سنان کی مداحی کی تاہم اُس نے یہ آن قائم رکھی کہ ہرم نے جب یہ حکم دیا کہ زھیر جس وقت دربار مین آئے، اور مجھ کو سلام کرے تو اس کو انعام دیا جائے اس حکم کے بعد زہیر جب کبھی دربار مین جاتا تھا، تو کہہ دیتا تھا کہ بادشاہ کے سوا اور سب کو سلام کرتا ہون،

زھیر کے بعد نابغہ ذبیانی نے سلاطین کی مداحی کی اور اس وجہ سے تمام عرب اسکو ذلیل سمجھنے لگا، اور اس کی قدر و منزلت جاتی رہی کتاب العمدہ مین ہے،

فسقطت بمنزلتہ وتکسب مالا جسیما

تو اس کی عزت جاتی رہی اور اُس نے مداحی سے بڑی دولت پیدا کی،

اہلِ عرب مداحی کو جس قدر ذلیل سمجھتے تھے، اس کا اندازہ واقعاتِ ذیل سے ہوگا،

لبید بن ربیعہ مشہور شاعر تھے جن کا ایک قصیدہ سبعہ معلقہ مین داخل ہے۔ ان کا معمول تھا کہ جب پورب کی ہوا چلتی تھی، تو عام مہمانی کرتے تھے جس مین سیکڑون اونٹ ذبح کرتے تھے، بڑھاپے مین جب دولت کی طرف سے تنگی ہوئی، تو یہ معمول قضا ہونے لگا، ولید بن عقبہ کو خبر ہوئی، تو اُس نے سو اونٹ بھیج دیئے کہ معمول مین فرق نہ آنے دیجئے، لبید نے اپنی لڑکی کو بلا کر کہا کہ بٹیا! اس شخص نے میرے ساتھ احسان کیا ہے لیکن اب مجھ سے شعر نہین کہے جاتے، میری طرف سے تو شکریہ کے اشعار کہدے، اس نے یہ قطعہ لکھا :-

اذا ھبّت ریاح ابی عقیل دعونا عند ھبّتہا الولیدا

اغرّ الوجہ ابیض عبشمیّا اعان علی مروتہ لبیدا

ابا وھب جزاک اللہ خیرا نحرناھا واطعمنا الثریدا

اخیر شعر یہ تھا :-

فعد ان الکریم لہ معاد وظنی یا بن اروی ان یعود

دوبارہ بھی ایسی ہی فیاضی کر کیونکہ شریف بار بار فیاضی کرتے ہین اور میرا گمان ہو کہ تو ایسا ہی کریگا،

چونکہ اس شعر مین اظہارِ حاجت تھا، لبید نے بٹی سے کہا کہ اور شعر بہت اچھے ہین لیکن اخیر شعر غیرت کے خلاف ہے،

عمر بن ابی ربیعہ قریش کا مشہور شاعر تھا، عبد الملک نے اس سے مدح کی فرمائش کی، اس نے کہا کہ مین صرف عورتون کی مدح کیا کرتا ہون (یعنی غزل لکھتا ہون)

ابن میادہ نے خلیفہ منصور کی مدح مین قصیدہ لکھا، اور قصد کیا کہ بغداد جاکر دربار مین سُنائے، سوار ہو رہا تھا کہ اس کا نوکر حسب معمول اونٹنی کا دودھ لے کر آیا، ابن میادہ نے پی کر

پیٹ پر ہاتھ پھیرا اور کہا کہ استغفر اللہ اس کے ہوتے ہین امیر المومنین کی مدح لکھتا ہون؟
بغداد جاتا ہون،

یزید ثقفی حجاج کا ہم وطن شاعر تھا، حجاج نے اس کو فارس کا گورنر مقرر کیا، جب وہ رخصت ہونے کے لیے آیا تو حجاج نے کہا کچھ شعر سناتے جاؤ، حجاج سمجھتا تھا کہ اس کی مدح پڑھے گا، یزید نے برجستہ کہا،

وابی الذی سلب ابن کسریٰ رایۃ	بیضاء تخفق کالعقاب الطائر

میرا باپ وہ ہے جس نے نوشیروان کے بیٹے سے علم چھین لیا تھا، جو عقاب کی طرح لہراتا جاتا تھا

حجاج نے عرض بیگی سے کہا کہ جب یزید باہر نکلے، تو سندِ حکومت چھین لینا، اور کہنا کہ تیرے باپ نے یہ چیز تجھکو وراثت مین دی تھی،

یزید نے کہا حجاج سے کہدینا کہ

وورثت جدّی مجدہ لا دفعالہ	وورثت جدک اعنزا بالطائف

مین نے اپنے باپ کا شرف اور کارنامے وراثت مین پائے اور تیرے باپنے وراثت مین بکریان چھوڑین،

فرزدق بنی امیہ کے دربار کا شاعر تھا، تاہم جب سلیمان بن عبدالملک نے اس سے شعر پڑھنے کی فرمایش کی تو بجائے اس کے کہ وہ سلیمان کی مدح مین کچھ پڑھتا، اپنے خاندان کی مدح مین فخریہ اشعار پڑھے، سلیمان سخت برہم ہوا، اتفاق سے دربار کا ایک اور شاعر جس کا نام نصیب تھا، موجود تھا، اس نے برجستہ یہ اشعار پڑھے،

اقول لرکب قافلین رأیتہم	قفا ذات اوشال ومولاک قارب
قفوا خبرونی عن سلیمان اننی	لمعروفہ من اهل ودّان طالب
فعاجوا فاثنوا بالذی انت اهلہ	ولو سکتوا اثنت علیک الحقائب

سلیمان نے نصیب کو پانسو اشرفیان دلوائین، اور کہا کہ فرزدق سے کہہ دے کہ اپنے باپ کی آگ کے پاس جائے، فرزدق غصہ مین آکر یہ شعر پڑھتا ہوا دربار سے اٹھا،

وخیر الشعر اکرمہ رجالا	وشر الشعر ما قال العبید
اچھے شعر شرفا کہتے ہین	اور سب سے برا شعر وہ ہے جو غلامون نے کہا ہو

غیر قومون کے میل جول اور شخصی حکومت کی بداثری سے عرب مین مداحی کا رواج ہوا، تاہم شروع شروع مین تنی آن قائم رہی کہ خلفا، اور سلاطین اور امرا کے سوا اور کسی کی مدح نہین کرتے تھے، اور نہ صلہ لیتے تھے، مروان بن ابی حفصہ کہتا ہے،

ولقد جبیت بالف الف لم تکن	الا بکف خلیفۃ ووزیر
مین نے لاکھون روپیے حاصل کیے	لیکن صرف خلیفہ یا وزیر سے
مازلت أنف ان اولف مدحۃ	الا لصاحب منبر او سریر
مین ہمیشہ اس بات کو عار سمجھتا رہا	کہ بجز صاحب تخت ومنبر کے اور کسی کی مدح کرون

ذوق سخن مین یہ بحث زیادہ پھیل گئی، اصل مضمون یہ تھا کہ عرب مین شاعری کی ابتدا کیونکر ہوئی، اور کب ہوئی،

ابن رشیق نے شاعری کی ابتدا، اور رفتہ رفتہ مختلف قبیلون مین پھیلنے کا ایک سلسلہ بیان کیا ہے، جو مختصراً حسب ذیل ہے،

قبیلہ ربیعہ	اس قبیلہ کے مشہور شعرا یہ ہین، مہلہل بن ربیعہ، مرقش اصغر واکبر، طرفہ بن عبد، حارث بن حلزہ، متلمس، اعشیٰ ان مین سے دو شاعر سبعہ معلقہ والے ہین،
بنو قیس	اس قبیلہ مین نابغہ ذبیانی، نابغہ جعدی، زہیر بن ابی سلمیٰ،

تمیم	کعب بن زہیر، لبید بن ربیعہ، حطیہ، شماخ مشہور شعراء گذرے ہین، ان مین بھی دو سبعہ معلقہ اسی قبیلہ مین مدت تک شاعری قائم رہی، اوس بن حجر اسی قبیلہ کا شاعر تھا،

ابتدا مین صرف قصیدے کہتے تھے، رجز دو تین شعر سے زیادہ نہین ہوتے تھے، جو معرکۂ جنگ یا مفاخرت وغیرہ کے موقع پر بے اختیار شاعر کی زبان سی نکل جاتے تھے سب سے پہلے عجاج نے رجز کو وسعت دی اور تمام وہ خیالات ادا کیے جو قصائد مین ادا کئے جاتے تھے، روبہ بن عجاج نے اس کو اور بھی ترقی دی، یہ دونون بنی امیہ کے زمانہ مین تھے، افسوس یہ کہ رجز ان ہی دونون پر ختم ہوگیا، ورنہ اگر اس صنف کو ترقی ہوتی تو عرب مین بھی مثنوی کا رواج ہو جاتا، جو شاعری کی سب سے بڑی شاخ ہے، اور جس کی بدولت عجم نے اس میدان مین عرب سے علانیہ بازی جیتی، تاہم یہ صنف بالکل معدوم نہین ہوئی، ابن المعتز وغیرہ نے چھوٹی چھوٹی مثنویان لکھین، اور الفیہ بن مالک وغیرہ بھی گویا اسی کے پرتو ہین، گو وہ شعر نہین، بلکہ نظم ہین،

زمانہ کے اعتبار سے شعراے عرب کے چار دور ہین:-

جاہلی:- اسلام سے قبل کے شعراء،

مخضرمی:- یعنی جنھون نے دونون زمانے پائے، مثلاً لبید، حسان، نابغہ،

اسلامی:- یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے لیکر بنو امیہ تک،

محدث:- یعنی دولت عباسیہ کے شعراء، اور ان کے مابعد،

ایران مین شاعر کے لیے مختلف علوم و فنون مین کامل ہونا ضرور تھا، چنانچہ تمام مشاہیر شعراء، نامور علماء، اور فضلاء تھے، لیکن عرب مین اس کے برخلاف وہی شعراء فن شعر

کے امام اور پیشوا خیال کئے جاتے ہین، جو جاہل مطلق تھے، اور ایک حرف لکھ پڑھ نہین سکتے تھے، یہان تک کہ کسی اسلامی شاعر کی بے انتہا تعریف کرنا چاہتے ہین، تو کہتے ہین کہ اگر اس نے زمانۂ جاہلیت کا ایک دن بھی پایا ہوتا، تو سب سے بڑا شاعر ہوتا، اس کی وجہ یہی ہو کہ شاعری دراصل خالص فطری جذبات کے اظہار کا نام ہے، اور تمدن کے زمانے مین کوئی فطری حالت باقی نہین رہتی، بلکہ تصنع اور آورد کا اثر آجاتا ہے، اس کے علاوہ تمدن کے زمانہ مین جذبات کا جوش وخروش نہین رہتا، جو شاعری کی جان ہے، غور کرو ایک بہت بڑا متمدن شاعر فخریہ مین کہتا ہے اور یہ فخریہ شاعری کا بہترین نمونہ خیال کیا جاتا ہے،

(ابو تمام طائی)

اذا مضرّ الحمراء کانت ارومتی — وقام بمجدی حازم وابن حازم
جب کہ قبیلہ مضر میرا مورث اعلیٰ ہو — اور میری شرافت کے بانی حازم اور ابن حازم
عطست بانفی شامخا وتناولت — یدای الثریا قاعداً غیر قائم
تو غرور سے ناک چڑھاتا ہون اور — میرے ہاتھ بیٹھے بیٹھے ثریا کو چھو لیتے ہین،

لیکن ایک جاہلی شاعر یون فخر کرتا ہے:-

الا لا یجھلن احد علینا — فنجھل فوق جھل الجاھلینا
ہان دیکھو! کوئی ہم سے جہالت نہ کرے — ورنہ ہم جاہلون سے بڑھ کر جاہل ہین
اذا بلغ الفطام لنا صبیٌّ — تخرّ لہ الجبابر ساجدینا
جب ہمارا کوئی بچہ دودھ چھوڑتا ہے — تو بڑے بڑے جبابرہ اس کے سامنے سجدہ مین گرتے ہین

(عمرو بن کلثوم)

شاعری کا رتبہ اور شاعری کا اثر

ایران بلکہ تمام ایشیا مین شاعری تفریح طبع کی چیز تھی، اس لئے انوری نے ایک قطعہ مین ثابت کیا ہے، کہ انسان جماعت مین شاعر کی اتنی بھی ضرورت نہین جس قدر بھنگی، اور خاکروب کی ہے، لیکن عرب مین شاعر ایک جنرل،

ایک فاتح، ایک سردار اعظم کا رتبہ رکھتا تھا، ایک شاعر صرف اپنے کلام کے اثر سے قبیلہ کے قبیلہ کو برباد اور گمنام کر دیتا تھا، عرب مین ایک نہایت معزز قبیلہ نبو نمیر تھا کسی مجمع مین اس قبیلہ کا کوئی آدمی بیٹھا ہوتا تھا، اور کوئی اس کا نام و نسب پوچھتا تھا، تو نمیر کا نام لیتے وقت اس کی آواز مین غرور کا لہجہ پیدا ہو جاتا تھا، جریر اس قبیلہ سے ناراض ہوا، رات کو اُن کی ہجو لکھنے بیٹھا تو اپنے بیٹے سے کہا کہ ذرا چراغ مین تیل زیادہ ڈال دینا، آج دیر تک جاگون گا، یہ کہکہ ہجو لکھنی شروع کی جب یہ شعر کہا:-

فغض الطرف انک من نُمیر   فلا کعبا بلغت ولا کلابا

تو زور سے اچھلا اور پکارا اٹھا اللہ اخزیتہ لا یفلح ابدا، یعنی خدا کی قسم مین نے اس قبیلہ کو برباد کر دیا، اب یہ قیامت تک ابھر نہین سکتے، اسی وقت یہ شعر تمام عرب مین پھیل گیا، اور یہ حالت ہو گئی کہ اس قبیلہ کا کوئی آدمی کہین جا نکلتا تھا، اور کوئی اس کا نام و نشان پوچھتا تھا، تو قبیلہ کا نام بدل کر بتاتا تھا یہان تک کہ رفتہ رفتہ اس قبیلہ کا نام ہی مٹ گیا،

اسی طرح وہ قبیلے جن کو کوئی پوچھتا بھی نہ تھا، صرف ایک شاعر کی بدولت نامور ہو گئے، اور بڑے معزز قدیم قبیلون نے اُن کو اپنا ہمسر مان لیا، یہی وجہ ہے کہ جب کسی گھرانے مین کوئی شاعر پیدا ہوتا تھا، تو تمام قبیلون کی طرف سے مبارکباد کے پیام آتے تھے، دعوتین ہوتی تھین، عورتین جمع ہو کر مبارکباد کے گیت گاتی تھین، قربانیان کیجاتی تھین، بخلاف اس کے ایران مین کوئی شخص شاعری مین در آتا تھا، تو قوم سمجھتی تھی کہ گداگرون کی فہرست مین ایک نام کا اور اضافہ ہوا،

ایشیا مین شاعری نے کبھی کوئی ملکی یا قومی انقلاب نہین پیدا کیا، بلکہ یہ کہنا چاہیے

کہ شخصی حالتوں پر بھی اس کا کوئی نمایاں اثر نہیں ہوا، تم کہو گے کہ خواجہ حافظ کی شاعری نے تمام ایران کو رند بنا دیا، لیکن یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ خواجہ حافظ پر موجودہ سوسائٹی کا اثر تھا، یا خواجہ صاحب نے سوسائٹی کو متاثر کیا، یعنی خواجہ صاحب نے اس وقت کی موجودہ معاشرت کی تصویر کھینچی، یا انھوں نے وہ حالت اپنے کلام سے پیدا کر دی،

لیکن عرب میں شاعری ایک قوت تھی، اور شاعر کا ایک شعر بھی کسی نمایاں نتیجہ سے خالی نہیں جا سکتا تھا، عمرو بن کلثوم کے ایک قصیدہ نے قبیلہ تغلب کو دو سو برس تک غیرت اور شجاعت کے نشہ میں چور رکھا، اس قبیلہ کے ایک ایک بچہ کو پورا قصیدہ یاد ہوتا تھا، اور وہ مجامعِ عام میں پڑھتا تھا، امیر معاویہؓ لیلۃ الہریر کے دن حضرت علیؓ کے مقابلہ میں بھاگ نکلنے کے لیے بالکل تیار ہو چکے تھے، محض ان اشعار نے ان کو روک دیا۔

وقولی کلما جشأت وجاشت ۔۔۔ مکانک تحمدی او تستریحی

لادفع کلما ماثر صالحات ۔۔۔ واحمی بعد عن عرض صحیح

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ کے لیے کفار جو بار بار مدینہ پر چڑھائیاں کرتے تھے، ان میں متعدد لڑائیاں شعرا ہی نے برپا کرائی تھیں،

اسی بنا پر شعراء سلاطین اور روساتک سے نہیں دبتے تھے، عرب کے مشہور بادشاہ عمرو بن ہند نے جب سلطنت کے نشہ میں آکر کہا کہ اب کوئی عرب میں رہ گیا ہے جس کو میرے سامنے گردن جھکانے سے انکار ہو، تو درباریوں نے کہا کہ ہاں عمرو بن کلثوم شاعر، بادشاہ نے اس کو اور اسکی ماں کو بلا بھیجا، ماں شاہی محل میں گئی، تو بادشاہ کی ماں نے اُس سے کسی چیز کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ ذرا اٹھا دینا، اس نے کہا اپنا کام خود کرنا چاہیے، بادشاہ کی ماں نے دوبارہ کہا، اس پر غصہ میں آکر اس نے نعرہ مارا کہ

واذلاہ یعنی ہائے ذلت، عمرو کلثوم نے باہر سے سُنا سمجھا کہ میری ماں کی توہین کی گئی، اسی وقت تلوار میان سے کھینچ کر جھپٹا اور بادشاہ کا سر اڑا دیا، پھر بہت سخت رن پڑے، دونون طرف کے ہزارون آدمی کٹ گئے، عمرو کلثوم نے یہ تمام واقعہ قصیدہ مین لکھا ہے، اور سالانہ دنگل کے موقع پر عکاظ مین پڑھا،

الا لا یجھلن احد علینا فنجھل فوق جہل الجاھلینا

ہان! ہم سے کوئی جہالت نہ کرے ورنہ ہم جاہلون سے بڑھکر جاہل ہین،

فانا نورد الرایات بیضا ونصدرھن حمرا قد روینا

ہم اپنی برچھیان میدان جنگ مین سفید لیجاتے ہین اور سرخ واپس لاتے ہین

(۲)

مدح — مدح اگرچہ عرب کی اصلی شاعری مین داخل نہین، لیکن اسلام کے بعد تمدن کی وسعت اور شخصی حکومتون کے قائم ہونے کی وجہ سے شاعری کے چار ارکان مین سے مدح بھی ایک رکن قرار پاگئی، اب چار ارکان یہ ہین، مدح، ذم، عشقیہ، فخریہ، اس بنا پر اہل ادب نے مدحیہ شاعری کے اصول اور ضابطے مقرر کیے، جن کو ابن رشیق نے نہایت تفصیل اور توضیح سے کتاب العمدہ مین لکھا ہے،

ایران مین مدحیہ بلکہ ہر قسم کی انواع سخن کے لیے مبالغہ اور غلو سب سے مقدم شرط تھی ممدوح کے وصف مین جس قدر زیادہ ناممکن باتین جمع کی جائین اسی قدر شاعری کا کمال خیال کیا جائے گا، مثلاً

نہ کرسی فلک نہد اندیشہ زیر پائے تا بوسہ بر رکاب قزل ارسلان دہد

لیکن عرب نے اس کے لیے جو اصول قرار دیے، حسب ذیل ہین،

۱- الفاظ گزیدہ اور شستہ ہون، سوقیانہ الفاظ اور محاورے نہ آنے پائین،

۲- زیادہ اشعار نہ ہون، چنانچہ بحتری سلاطین کی جب مدح لکھتا تھا، تو بہت کم شعر لکھتا تھا، جریر مشہور شاعر کہا کرتا تھا، اذا مدحتم فلا تطیلوا،

ایک دفعہ فرزدق، عبدالرحمٰن بن ام الحکیم کے پاس گیا، اور اس کی مدح پڑھنی چاہی عبدالرحمٰن نے کہا مجھ کو ایسی مدح سے معاف رکھو کہ اخیر اشعار تک پہونچتے پہونچتے پہلے نقرے بھول جائین، صرف دو شعر پہ اکتفا کرو تو مین تم کو اس قدر انعام دونگا، کہ کسی نے تم کو نہ دیا ہوگا، فرزدق نے صرف دو شعر مین مدح ادا کی اور عبدالرحمٰن نے دس ہزار درہم عطا کیے،

۳- مدح مین تفاوت مراتب کا لحاظ رکھا جائے یعنی بادشاہ' وزیر، دبیر، افسر فوج، حاکم عدالت ہر ایک کی مدح مین اس کے خاص اوصاف کا خیال رکھا جائے، مثلاً دبیر کی مدح مین اگر دلیری اور شجاعت کا وصف بیان کیا جائے، یا قاضی کو صاحب ہیبت و جلال کہا جائے تو ناموزون ہوگا،

لیکن ایرانی شاعری مین ایک قلی کی مدح مین بھی تمام شاہانہ اوصاف ثابت کر دیے جاتے ہین علامہ ابن رشیق نے اس بحث مین لکھا ہے کہ جب ممدوح بادشاہ ہو تو شاعر کو خیال رکھنا چاہیے کہ ایسے اوصاف نہ بیان کرے، جو عام رئیسون مین بھی پائے جاتے ہین، مثلاً اخطل کے اس شعر

وقد جعل اللہ الخلافۃ منھم	لابیض لا عاری الخوان ولا جدب
یعنی خلافت خدا نے ایسے شخص کو دی	جس کا دسترخوان تنگ نہین

پر لوگون نے اعتراض کیا ہے کہ یہ وصف تو بادشاہ کے ایک ادنیٰ نوکر مین بھی پایا جاسکتا ہے

اسی طرح احوص کے اس شعر پر

واذاک تفعل ماتقول وبعضہم　　مذق الحدیث یقول مالایفعل

آپ جو کہتے ہین کرتے ہین، اور اور لوگ　　صرف باتین بناتے ہین، کچھ کرتے نہین

لوگون نے یہ نکتہ چینی کی کہ یہ ایک معمولی بات ہے، بادشاہون کی تعریف مین اغراق اور مبالغہ ہونا چاہیے، یعنی وہ اوصاف لکھنے چاہئین، جو عام انسانون کے رتبہ سے بالاتر ہون۔ علامہ ابن رشیق پانچوین صدی ہجری مین تھے، جب کہ عرب کا مذاق عجم کے اختلاط سے بالکل بدل گیا تھا، ورنہ وہ جانتے کہ عرب کی شاعری کی یہی خوبی تھی کہ کسی موقع پر اصلیت اور واقعہ سے تجاوز نہین ہو سکتا تھا، شعراے عرب سلاطین کی مدح مین بھی وہی باتین لکھتے تھے، جو واقعی ہوتی تھین، یاد ہوگا کہ جب عرب کے ایک بادشاہ نے ایک شاعر سے کہا کہ میری مدح کرو تو اُس نے کہا پہلے تم کچھ کرکے دکھاؤ تو مین کہون،

۴۔ ممدوح جب بادشاہ ہو تو اس کے اوصافِ ذیل کا ذکر کرنا چاہیے، یعنی عقل، عدل، شجاعت، چنانچہ شعراے متقدمین انہی اوصاف کا بیان کرتے تھے، لیکن متاخرین نے وسعت دیکر ان اوصاف کی شاخون اور شاخ در شاخ اوصاف کو لیا، اور اس مین وسعت پیدا کی، مثلاً وہ ممدوح کی نکتہ رسی، شرم و لحاظ، قوتِ تقریر، سیاست حلم وغیرہ کا بھی بیان کرتے ہین، اور ان سب اوصاف کو عقل کے نتائج قرار دیتے ہین،

۵۔ زیادہ تر اصلی اور ذاتی اوصاف بیان کرنے چاہئین، جو اوصاف عارضی ہین مثلاً حسن، دولتمندی، جاہ و مال وغیرہ ان چیزون کے ذکر کی ضرورت نہین، کیونکہ یہ سب چیزین چلتی چھاؤن ہین، آج ہین، کل نہین، بخلاف ذاتی اوصاف کے جو مرتے دم تک انسان کے ساتھ ہین،

یہ قدامہ کی راے ہی لیکن علامہ ابن رشیق کا خیال ہے کہ عارضی اوصاف کو سرے سے ترک نہین کرنا چاہیے، البتہ ذاتی اوصاف کو مقدم رکھنا چاہیے،

اہل ادب مین یہ مسئلہ بحث طلب ہی کہ مدح مین سب سے بڑھ کر کون سا شعر ہے ہم اس موقع پر علامہ ابن رشیق کی کتاب سے مختلف اقوال نقل کرتے ہین جس سے عرب کے مذاق کا اندازہ ہوگا،

ایک دفعہ خلیفہ معتصم باللہ کے دربار مین شعرا کا مجمع ہوا معتصم باللہ نے کہا کہ تم مین کوئی شخص ایسے شعر کہہ سکتا ہے یہ کہکر منصور نمیری کے یہ اشعار پڑھے جو اُس نے ہارون الرشید کی مدح مین لکھے تھے،

ان المکارم والمعروف اودیۃ احلک اللہ منہا حیث تجتمع

شریفانہ خصائل نہرین ہین، اور یہ نہرین جہان جاکر مل گئی ہین وہ تیری جگہ ہی،

اذا رفعت امرءًا فاللہ رافعہ ومن وضعت من الاقوام متضع

تو جس شخص کو اونچا کرے خدا بھی اس کو اونچا کر دیتا ہے اور توجسکو گرا دیوہ گر جاتا ہی

ان اخلف الغیث لم تخلف اناملہ اوضاق امرٌ ذکرناہ فیتسع

بادل رک جائین تو اس کا دست کرم نہین رکتا جب کوئی مشکل آپڑتی ہی تو ہم ممدوح کا نام لیتے ہین، اور محمد بن وہب نے بڑھ کر کہا کہ ہم اس سے بڑھ کر کہہ سکتے ہین، پھر یہ شعر پڑھے :-

ثلاثۃ تشرق الدنیا ببہجتہم شمس الضحی وابو اسحق والقمر

تین چیزین ہین جنھون نے دنیا کو روشن کر رکھا ہے، آفتاب، چاند اور معتصم باللہ

تحکی افاعلہ فی کل نائلۃ الغیث واللیث والصمصامۃ الذکر

بادل، شیر اور تلوار، اس کے کارنامون کی نقل اتارتے ہین،

ص ۲۰ عمدہ جلد ثانی ہے،

حطیئہ ایک مشہور شاعر تھا، جب مرنے لگا تو کہا کہ انصار کو یہ پیغام پہنچا دینا کہ تمہارا بھائی سب سے بڑا مدح گو ہے، جس کا یہ شعر ہے،

یغشون حتی ما تہر کلابھم   لا یسئلون عن السواد المقبل

عرب مین عموماً لوگ کتے پالتے تھے، یہ کتے اجنبی آدمی کو دیکھکر بھونکتے تھے، شاعر کہتا ہے کہ ممدوح کے پاس اس کثرت سے مہمان اور آیند و روند آتے جاتے رہتے ہین، کہ اس کے کتے کسی کو دیکھ کر بھونکتے نہین، کیونکہ تمام لوگون سے مانوس ہوگئے ہین،

یہ ایک سچی مدح تھی، لیکن ثعلب نے جب حطیہ کا یہ قول سُنا تو کہا کہ یہ غلط ہے، سب سے عمدہ شعر مدح کا یہ ہے:-

فتی لو یباری الشمس لقت قناعھا   او القمر السادی لالقی المقالدا

وہ اگر آفتاب ماہتاب کا مقابلہ کرے تو آفتاب اپنے اوپر نقاب ڈال لے اور چاند سپر ڈالدے

ثعلب اس زمانہ کا آدمی ہے جب عرب کا صحیح مذاق خراب ہوچکا تھا، اس لئے اس نے تکلف اور مبالغہ کو واقعیت پر ترجیح دی،

عرب مین مدحیہ شاعری کے جو عمدہ نمونے خیال کئے جاتے ہین، اُن مین سے بعض ہم نقل کرتے ہین، اُن سے اندازہ ہوگا کہ عرب کی شاعری کس قدر صحیح اور سچے خیالات کا آئینہ ہے،

اخی ثقۃ لا یھلک الخمر مالہ   ولکنہ قد یھلک المال نائلہ

قابل اعتماد ہے شراب اسکی دولت کو ضائع نہین کرسکتی، البتہ فیاضی اسکی دولت کو برباد کردیتی ہے

تراہ اذا ما جئتہ متھللاً   کانک تعطیہ الذی انت سائلہ

اس کے پاس کچھ مانگنے جاؤ تو اس کا چہرہ ایسا شگفتہ ہو جائیگا کہ گویا تم ہی اسکو چیز دیتے ہو،

فمن مثل حصن فی الحرب و مثله
لانکار ضیم او لخصم یجادله

لڑائی کے وقت یا دشمن کے تقابلہ مین یا عزت کی پاسداری مین ممدوح کا ہمسر کہان مل سکتا ہو

وفیھم مقامات حسان وجوھھا
واندیۃ ینتابھا القول و الفعل

ان لوگون کے کارنامے روشن ہین، اُن کی مجلسون مین قول اور فعل سنا تھا آتے ہین

وان جئتھم الفیت حول بیوتھم
مجالس قد یشفی باحلامھا الجھل

ان سے ملنے جاؤ تو وہان ایسے لوگ نظر آئین گے جن کی دانشمندی جہالت کی دوا ہو

علی مکثریھم حق من یعتریھم
وعند المقلین السماحۃ والبذل

ان مین جو دولتمند ہین وہ مفلسون کی حاجت روا کر دیتے ہین اور جو نادار ہین وہ سائلون سے خندہ پیشانی سے پیش آتے ہین

سعی بعدھم قوم لکی یدرکوھم
فلم یفعلوا ولم یلاموا ولم یالوا

اورون نے بھی چاہا کہ ان کا رتبہ حاصل کرین، لیکن نہ کر سکے اور اس پر ان کو الزام نہین دیا جا سکتا

فما کانَ من خیرا توہ فانّما
توارثہ آباء اباءھُم قبل

یہ جو کچھ کرتے ہین ان کے باپ دادا سے
ان کو وراثت مین پہونچا ہے'

یہ اشعار زہیر کے ہین جو اسلام سے پہلے زمانہ کا شاعر ہے، اور جو بالکل لکھا پڑھا نہ تھا' اس لئے اس کے خیالات نہایت سادہ اور بے تکلف ہین، لیکن جب اسلام کے بعد آورد اور تکلّف آگیا، اس وقت بھی اصلیت اور واقعیت کا عنصر موجود تھا، متنبی، ابو تمام بحتری نے اکثر جگہ بالکل عجمیون کی طرح مبالغہ، غلو اور دور از کار خیالات سے کام لیا ہے، لیکن ان کے کلام کا بھی بہترین حصّہ وہی خیال کیا جاتا ہے، جس مین واقعیت کی جھلک موجود ہوتی ہے

متنبی جب شام، مصر اور بغداد ہر جگہ پھر کر عضد الدّولہ کے دربار مین گیا ہے تو اُس کو مخاطب کر کے کہتا ہے :-

وقد رأیت الملوک قاطبۃ | وسرت حتی رایت مولاہ
میں نے سب بادشاہوں کو دیکھا | اور آب آکر بادشاہوں کے آقا کو دیکھا
ابا شجاع بفارس عضد الدولۃ | فناخسر وشہنشاھا
جس کا نام ابو شجاع عضد الدولہ | فناخسرو شہنشاہ ہے
اسامیا لم تزدہ معرفۃ | وانما لذۃ ذکرناھا

یہ سب نام اور لقب میں نے اس لئے نہیں گنائے کہ لوگ ایک لقب سے نہ پہچانیں تو دوسرے سے پہچان لیں، بلکہ اس لئے کہ بار بار اس کے لینے میں مجھکو مزہ آتا ہے۔

برخلاف اس کے ایران کی شاعری میں ایک شعر بھی مدحیہ ایسا نہیں مل سکتا، جو عمدہ خیال کیا جاتا ہو، اور اس کو واقعیت سے بھی کچھ علاقہ ہو،

فخریہ، عرب کی شاعری کا ایک رکن اعظم فخریہ شاعری ہے، ایرانی شعرا نے بھی فخریہ شعر لکھے ہیں، لیکن وہ صرف شاعری یا علم وفضل کا فخر ہوتا ہے، یعنی میری شاعری اس درجہ کی ہے یا علم وفضل میں میرا کوئی ہمسر نہیں ہے، مثلاً فیضی کہتا ہے،

امروز نہ شاعرم حکیمم | دانندۂ حادث و قدیمم
آنم کہ بہ سحر کارے ژرف | از شعلہ تراش کردہ ام حرف
بانگ قلمم درین شب تار | بس معنئے خفتہ کرد بیدار
اسراف معانیم نظر کن | زین گنج بہ مفلسان خبر کن
آنان کہ بمن نظر فگندند | در معرکہ ام سپر فگندند
گر عشق چنین بسوزدم پاک | مہتاب برون بریزم از خاک
بگداختہ آبگینۂ دل | آئینہ دہم بدست محفل

عرفی نے یہ جدت پیدا کی کہ علم وفضل کے ساتھ اپنے حسن وجمال کی بھی تعریف کرتا ہی اور چونکہ وہ واقعی خوبصورت بھی تھا، اس لئے یہ ناز بیجا نہ تھا، لیکن فخر کا پہلو نہایت بُرا اختیار کیا ہے، چنانچہ کہتا ہے،

سر بر زدہ ام با مہ کنعان زیکی جیب　　معشوق تماشا طلب و آئینہ گیرم

میگویم و اندیشہ ندارم ز ظریفان　　من زہرۂ رامشگر و من بدر منیرم

مہ کنعان کے مقابلہ اور معشوقیت کا مضائقہ نہیں، لیکن زہرۂ رقاص بننا کون سی آدمیت ہے،

لیکن عرب کی فخریہ شاعری بالکل مختلف حیثیت رکھتی ہے، عرب مین سینکڑون مختلف قبیلے تھے، ان مین جنگ وجدل رہتی تھی، اور ہر ایک کو اپنی مدد کے لئے اور قبیلون سے کام لینا پڑتا تھا، اس غرض کے لئے شاعری سب سے بڑا کارگر آلہ تھا، اشعار مین وہ اپنے رتبہ اور شان کو اس حیثیت سے دکھاتے تھے، کہ دوسرون پر اثر ہوتا تھا، اور لوگ خواہ مخواہ اُن کے حلقہ بگوش یا یار وفادار بن جاتے تھے، اس طرح فخریہ شاعری کی بنیاد پڑی، رفتہ رفتہ اس کو وسعت ہوتی گئی، اور فخریہ شاعری کے بہت موقع نکل آئے جن کی تفصیل یہ ہی،

۱- قبائل کے مقابلہ مین فخر کا اظہار،

۲- معرکۂ جنگ مین فخر کا اظہار،

۳- شعراء مین باہم مفاخرت، لیکن یہ عجیب بات ہی کہ ان مین کہین شاعری کا فخر نہین ہوتا تھا، بلکہ ایک شاعر شاعر کے مقابلہ مین بھی جب فخر اور ترجیح کا دعوی کرتا تھا تو علو نسب، جود وکرم، رزم آرائی کے معرکون کی بناء پر کرتا تھا،

جاہلیت اور ابتداے اسلام کے فخریہ مین نسب کا فخر سب سے ضروری عنصر تھا لیکن متاخرین

مین یہ عنصر کم ہوتا گیا، متنبی کہتا ہے،

مابقومی شرفت بل شرفوا بی ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ وبنفسی فخرت لا بجدودی

میرا شرف خاندان کی وجہ سے نہیں ہے، بلکہ خاندان کو مجھ سے شرف ہے مجھکو اپنے باپ دادا پر ناز نہین بلکہ اپنے آپ پر ناز ہے،

یہ وہی خیال ہے جس کو مرزا غالب نے ثبوت کیسا تھ ادا کیا ہے،

گوہر نہ بکان کان بہ گہر روی شناست ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ بر فرخی ذات دلیل اب وعم را

متنبی نے اگرچہ فخر کا صحیح مفہوم سمجھا، لیکن طرز ادا سے شبہ پیدا ہوتا ہے کہ نسب کا بہلیا ہوگا، اس لئے دوسرے شعرار نے اس پہلو کا بھی لحاظ رکھا عامر بن طفیل کہتا ہے،

فانی وان کنت ابن سید عامر ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ وفارسها المشہور فی کل موکب

مین اگرچہ قبیلۂ عامر کے سردار کا بیٹا ہون ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ جو ہر معرکہ مین نامور رہا تھا

فما سودتنی عامر عن وراثۃ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ابی اللہ ان اسمو بام ولا اب

تاہم مجھکو عامر کی وراثت نے سردار نہین بنایا ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ خدا یہ نہین چاہتا کہ میری عزت ماں باپ کی ممنون ہو

اب ہم فخریہ شاعری کے چند عمدہ نمونے نقل کرتے ہین، جو حقیقی جوش کی تصویرین ہین،

امرار القیس ‏ ‏ ‏ ‏ ما ینکر الناس طراحین نملکھم ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ کانوا عبید او کنا نحن اربابًا

لوگون کو اس سے انکار نہین ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ کہ وہ غلام اور ہم آقا ہین

فرزدق ‏ ‏ ‏ ‏ تری الناس ان سرنا یسیرون خلفنا ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ وان نحن اومانا الی الناس وقفوا

لوگ ہمارے پیچھے چلتے ہین اور جب ہم رکنے کا اشارہ کر دیتے ہین تو سب ٹھہر جاتے ہین،

بشار ‏ ‏ ‏ ‏ اذا ما غضبنا غضبۃ مضریۃ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ھتکنا حجاب الشمس او امطرت دما

جب ہم کو مضری[1] غصہ آتا ہے تو ہم آفتاب کو چاک کر دیتے ہین، کہ اس سے خون ٹپکنے لگتا ہے،

---

[1] یعنی اس قسم کا غصہ جو قبیلۂ مضر کا خاصہ ہے،

اذا ما اعزنا سید امن قبیلة　　ذری منبر صلی علینا وسلما

جب کسی قبیلہ کا سردار منبر پر چڑھتا ہی　　تو ہم پر درود اور سلام پڑھتا ہے،

ومن یفتقر منا یعش بحسامہ　　ومن یفتقر من سائر الناس سائل

ہمارے خاندان کا آدمی مفلس ہوجاتا ہی تو تلوار سے معاش پیدا کرتا ہی اور دوسری خاندان کے آدمی بھیک مانگنے لگتے ہین

وانا للنلھو بالحروب کما لھت　　فتاة بعقد او سخاب قرنفل

ہم لڑائیون کو اس طرح کھیل سمجھتے ہین، جس طرح چھوکری ہار سے کھیلتی ہی،

(از الندوہ جلد ۶ نمبر ۱۱ ماہ دسمبر ۱۹۰۹ء)

عربیؔ اور فارسی شاعری کا موازنہ

اوپر کے بیانات سے اس قدر تم کو معلوم ہوا ہوگا کہ فارسی شاعری عرب کی دست پروردہ ہے لیکن یہ سوال پیدا ہوگا کہ استاد و شاگرد مین کیا فرق ہے، شاگرد نے استاد پر کیا اضافہ کیا، اور کن باتون مین اب بھی وہ استاد کا ہمسر نہین ہو سکتا؟

حقیقت یہ ہے کہ فارس کی شاعری اگرچہ بالکل عرب کا سایہ ہے لیکن دونون ملکون کے تمدن، معاشرت اور مقامی حالات مین اس قدر اختلاف ہے، کہ ہر طرح کے تعلقات کے ساتھ بھی، دونون شاعریون مین زمین و آسمان کا فرق پیدا ہو گیا ہے، عرب کا تمدن یہ تھا کہ بڑے بڑے جتھے پہاڑون اور میدانون مین رہتے تھے، کسی بادشاہ یا فرماں روا کے محکوم نہین تھے، آزادی اور خودسری کے خیالات ساتھ لے کر پیدا ہوتے تھے، اور ساتھ لے کر جاتے تھے، طبیعت جنگجو اور شوریدہ سر تھی، اس لئے آپس مین لڑتے بھڑتے رہتے تھے، اور ذرا ذرا سی بات پر قبیلے کے قبیلے لڑ کر فنا ہو جاتے تھے، فصاحت و بلاغت کا ملکہ فطرتی تھا، اس لئے جو حالت پیش آتی اور جو خیالات پیدا ہوتے، اُن کو اسی اسلوب اور جوش و خروش کے ساتھ ادا کر دیتے تھے،

رزمیہ شاعری | ان باتون کا اثر یہ تھا کہ اُن کے اشعار مین شجاعت، جانبازی، مخاطرہ نفس،

لہ عربی شاعری سے مراد اسلام کے ماقبل کی شاعری ہے یا زیادہ سے زیادہ بنو امیہ کے عہد تک اس کے بعد کی شاعری عربی نہین بلکہ عجمی ہے، صرف زبان کا فرق ہے جس طرح حکومت کہ برائے نام عباسیہ کی تھی، اصلی حکمراں فارسی اور ترک تھے

اندھا دھند دلیری کے جو خیالات پائے جاتے ہین، فارس بلکہ دنیا کی کسی قوم کو نصیب نہین ہو سکتی اس قسم کے اشعار کو حماسیات کہتے ہین، ان حماسیات کو پڑھو تو یہ عالم نظر آتا ہے کہ جنگل مین شیر گونج رہا ہے، فردوسی نے بھی شاہنامہ مین بڑے بڑے زور کے معرکے لکھے ہین، لیکن وہ اورون کے افسانے ہین، فردوسی داستان گو بن کر ان کو بیان کرتا ہے لیکن عرب کا شاعر جو کہتا ہے، اپنی سرگذشت کہتا ہے، اس لئے اس کا جو اثر ہوتا ہے شاہنامہ کا نہین ہو سکتا، عرب مین جو مشہور شاعر گذرے ہین، وہی مشہور بہادر اور جنگ آور تھے، مثلاً امرء القیس، عمرو بن کلثوم، عمرو معدی کرب، اس لئے وہ زبان سے وہی کہتے تھے، جو ہاتھ سے کرتے تھے،

اس کے مقابلہ مین عجم کے شعرار کی یہ حالت تھی کہ انوری ایک دفعہ ڈاکوؤن مین گھر گیا، ایک حکیم صاحب اور ایک درزی بھی ساتھ تھا، سب جان بچا کر بھاگ نکلے، انوری بطور علوم متعارفہ کے کہتا ہے، ع

حکیم و شاعر و درزی چگونہ جنگ کنند

آزادانہ خیالات اسباب مذکورۂ بالا نے عرب کی شاعری کو آزادانہ خیالات سے لبریز کر دیا تھا، فارسی شاعری ہم کو یہ سکھاتی ہے،

اگر شہ روز را گوید شب ست این
بباید گفت اینک ماہ و پروین

بخلاف اس کے عرب کا شاعر اتفاق سے فلاکت مین پڑ جاتا ہے، ایک فرمانروا رئیس جو نسب مین اس سے کم رتبہ ہے، اُس کو حاجت مند دیکھ کر چاہتا ہے کہ اس سے قرابت پیدا کرے، شاعر کو خبر ہوتی ہے، وہ یہ اشعار جواب مین بھیجتا ہے،

بنی ابن کوز والسفاہۃ کاسمہا
لیستاد منا ان شتونا لیالیا

ابن کوز رئیس کا نام ہے، نے جس کا نام بھی ویسا ہی کمینہ ہے جیسا وہ خود کمینہ ہے یہ خواہش ظاہر

کی کہ ہمارے ہان قرابت کرکے شریف بنجائے، اور یہ اس بنا پر کہ ہم نے چندروز فاقہ سے گذارے،

دانا علی عض الزمان الذی تری | لنا لج من کرکا المخازی الدواھیا

ہان زمانہ نے ہم کو ستایا تاہم ہم ذلت کے مقابلہ مین مصائب کو برداشت کرتے ہین

فلا تطلبنھا یا ابن کوز فانہ | غذ الناس مذ قام النبی الجواریا

ابن کوز اس خیال سے درگذر جب سے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) پیدا ہوئے لڑکیان ہی لڑکیان ہین (اور کہین شادی کرلو)

متنبی کے زمانہ مین عرب کی تمام خصوصیات مٹ چکی تھین، تاہم جب سیف الدولہ نے متنبی کی نازبرداریون مین کمی کی، اور شعرا کو اس کا ہم رتبہ قرار دیا، تو اُس نے ایک قصیدہ لکھ کر دربار مین پڑھا جس کا ایک شعر یہ ہے،

وما انتفاع اخی الدنیا بناظرہ | اذا استوت عندہ الانوار والظلم

یعنی جب انسان کو روشنی اور تاریکی یکسان معلوم ہو تو آنکھ سے کیا حاصل

تمام قصیدہ مین اسی قسم کے آزادانہ خیالات ظاہر کئے، اور بگڑ کر دربار سے چلا آیا،

مفاخرت

اسی بنا پر عرب کی شاعری کا ایک بڑا میدان مفاخرت ہے جس مین شاعر اپنے کارنامون کو بڑے جوش وخروش سے فخریہ بیان کرتا ہے، اور وہ اس کو زیب دیتا ہی، عرب کا ایک مشہور بادشاہ عمرو بن ہند گذرا ہے، اس کا اثر واقتدار جب زیادہ بڑھا تو اُس نے ایک دن درباریون سے کہا کہ کیا اب عرب مین کوئی ایسا شخص بھی ہی جس کی مان کو میری مان کے سامنے گردن جھکانے سے عار ہو انھون نے کہا، ہان، عمرو بن کلثوم (قبیلہ تغلب کا مشہور شاعر تھا) بادشاہ نے اُس کو دعوت دیکر بلایا اور لکھا کہ مستورات

بھی ساتھ آئین، عمرو بن کلثوم دربار مین آیا، اور عورتین شاہی حرم مین گیئن، اِدھر اُدھر کی باتین ہو رہی تھین کہ بادشاہ کی والدہ نے عمرو بن کلثوم کی مان سے کسی چیز کی طرف اشارہ کرکے کہا کہ بی ذرا اس کو اٹھا دینا اُس نے کہا "آدمی کو اپنا کام آپ کرنا چاہیے" بادشاہ کی مان نے دوبارہ کہا وہ چیخ کر پکاری واتغلباہ واذلاہ یعنی ہائے تغلب کی ذلت، عمرو بن کلثوم نے باہر سے آواز سنی، اور سمجھا کہ مان کے ساتھ کوئی نامناسب برتاؤ ہوا، اسی وقت تلوار سے بادشاہ کا سر اڑا دیا، اور خود بچکر نکل آیا، پھر دونون قبیلون مین بڑے زور کا رن پڑا، اور ہزارون سر کٹ گئے، عمرو بن کلثوم نے اس پر ایک قصیدہ لکھا، اور جب عکاظ کا مشہور میلا قائم ہوا تو مجمع عام مین جوش و خروش کے ساتھ پڑھا، ایک مدت تک یہ حالت رہی کہ قبیلہ تغلب کا بچہ بچہ اس قصیدہ کو زبانی یاد رکھتا تھا، بالآخر یہ قصیدہ آب زر سے لکھکر در کعبہ پر آویزان کیا گیا، اسی بنا پر اس کو معلقہ کہتے ہین، اور آج وہ سبعہ معلقہ مین داخل ہے، اس قصیدہ کا ایک ایک شعر جوش و غیرت حمیت و آزادی دلیری و فخر کے صاعقہ کی گرج ہے، بادشاہ کو مخاطب کرکے کہتا ہے،

ابا هند فلا تعجل علینا — وانظرنا نخبرك الیقینا

اے ابو ہند! جلدی نہ کر — ہم تجھکو سچے واقعات بتاتے ہین

بانا نورد الرایات بیضاً — ونصدرهن حمراً قد روینا

ہم معرکۂ جنگ مین سفید جھنڈے لیکر جاتے ہین، لیکن اُن کو سرخ کرکے لاتے ہین

الا لا یجهلن احد علینا — فنجهل فوق جهل الجاهلینا

ہان ہم سے کوئی جہالت نہ کرے — ورنہ ہم جاہلون سے بڑھکر جاہل ہین

تهددنا و توعدنا رویدا — متی کنا لامك مقتوینا

تو ہم کو دھمکاتا اور ڈراتا ہے — لیکن ہم کیا تیرے ماں کے غلام ہیں

فان قناتنا یا عمرو اعیت — علی الاعداء قبلک ان تلینا

اے عمرو! تجھ سے پہلے بھی، ہمارے نیزوں کو لوگوں نے لچانا چاہا؟ لیکن تھک کر رہ گئے

وانا المانعون لما اردنا — وانا النازلون بحیث شئینا

ہم جس کو چاہتے ہیں روک دیتے ہیں — اور خود جہاں چاہیں پڑاؤ ڈال دیتے ہیں

اذا بلغ الفطام لنا صبی — تخر لہ الجبابر ساجدینا

ہماری قوم کا بچہ جب دودھ چھوڑتا ہے — تو بڑے بڑے جبار اس کے آگے سجدہ میں گر پڑتے ہیں

غور کرو، شعرائے فارس اس کے مقابلہ میں کس چیز پر فخر کر سکتے ہیں، نظامی اور عرفی نے بڑے زور کے فخریہ لکھے ہیں، لیکن فخر کی ساری کائنات یہ ہے کہ ہم اقلیم سخن کے بادشاہ ہیں، الفاظ اور حروف ہمارے باجگذار ہیں، مضامین ہمارے سامنے دست بستہ کھڑے رہتے ہیں، اس سے آگے بڑھے تو یہ کہ ہم پری پیکر ہیں چنانچہ عرفی فرماتے ہیں،

سر برزدہ ام با مہ کنعان ز یک جیب — معشوق تماشا طلب و آئینہ گیرم

میگویم و اندیشہ ندارم ز ظریفان — من زہرہ راہشگر و من بدر منیرم

مناظر قدرت مناظر قدرت مثلاً، پہاڑ، صحرا، جنگل، سبزہ زار، آب رواں، ان چیزوں کی تصویر بھی جس طرح عرب کا شاعر کھینچ سکتا ہے، ایران کے شاعر سے نہیں کھنچ سکتی، اول تو اس قسم کی شاعری ایران میں کم ہے، اور ہے تو وہ اصلیت اور مرقع نگاری نہیں جو عرب کا خاصہ ہے، البتہ باغ و بہار کے مضامین نہایت بہتات کے ساتھ ہیں اور عرب اس بات میں ایران کا مقابلہ نہیں کر سکتا، اور یہ بھی عرب کی واقعیت پسندی کی دلیل ہے، وہ جو کچھ دیکھتا ہے، وہی کہتا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ عرب کو باغ و بہار کہاں نصیب تھے، یہ ہمارے

ہندوستان کا جوہر ہے، کہ نرگس، یاسمن، سنبل، بنفشہ کبھی خواب مین بھی نہین دیکھا، لیکن بہار کے قصائد، ایران مین ٹھیٹھ لکھتے ہین، یہان کی کوئی چیز، گویا دیکھی ہی نہین،

جذبات انسانی

یہ شاعری بھی عرب کے ساتھ مخصوص ہے، جذبات انسانی مین سب سے بڑھکر رنج و غم کا جذبہ ہے، جو مرثیہ کی بنیاد ہے، لیکن ایران کے مرثیے بھی در اصل قصائد ہین، فرق یہ ہے کہ قصائد مین زندہ ممدوح کی مدح ہوتی ہے، اور مرثیون مین مردہ کے اوصاف بیان ہوتے ہین، بخلاف اس کے عرب اپنی اولاد، عزیز دوست، احباب، بلکہ اونٹ اور گھوڑے کا مرثیہ لکھتا ہے اور اس جوش و خروش کیساتھ لکھتا ہے کہ دل پانی ہو جاتے ہین۔ مرثیہ پر ختم نہین، ایران کے تمام جذبات کا یہی حال ہے، فارسی مین چار شعرا ایسے نہین ملتے جن مین کسی شاعر نے خاص اپنے غیظ و غضب کے جذبہ کا اظہار کیا ہو، بخلاف اس کے چونکہ عرب کے تمام جذبات نہایت سخت اور مشتعل ہوتے ہین، اس لئے اس کو غصہ آتا ہے تو منہ سے شرر جھڑنے لگتے ہین، ایران مین غزل کو بہت ترقی ہوئی، جو ایک خاص جذبہ عشق کا اثر ہے لیکن یہان بھی جس قدر آورد ہے آمد نہین؛

تمدن و معاشرت کی خصوصیات

عرب کی شاعری اس بات مین بھی ایران سے ممتاز ہے کہ عرب کا شاعر معاشرت اور خانگی زندگی کی خصوصیات اس قدر بیان کرتا ہے کہ اس سے اس زمانہ کی رفتار و گفتار، نشست و برخاست، وضع و قطع، رہنے سہنے کے طریقے، زندگی کی ضرورتین اسباب خانہ داری، ایک ایک چیز کا حال معلوم ہو سکتا ہے، بخلاف اس کے فارسی شاعری مین یہ بھی نہین معلوم ہو سکتا کہ لوگ زمین پر رہتے تھے یا آسمان پر بسر کرتے تھے،

معشوق

عرب کا معشوق بھی ایران سے جدا ہے یعنی ایران مین بجائے عورت کے مرد کو معشوق قرار دیتے ہین اور اُس نے ایرانی شاعری پر سخت بُرا اثر ڈالا ہے تفصیل اسکی آگے آئیگی،

فارسی شاعری کی ترجیحی خصوصیات

ع عیب ہمی جملہ بگفتی ہنرش نیز بگو

بے شبہہ عرب کی شاعری مین ایسی بہت سی باتین پائی جاتی ہین، جو ایران کو نصیب نہین،

لیکن فارسی شاعری کو بھی بہت سی خصوصیتین حاصل ہین، جن مین وہ عرب سے علانیہ ممتاز ہے،

مثنوی | فارسی شاعری کی ایک بڑی صنف مثنوی ہے جس مین سیکڑون واقعات اور ہزارون خیالات مسلسل بیان کئے جا سکتے ہین، عربی اس سے محروم ہے،

فلسفہ | عربی شاعری مین فلسفہ بہت کم ہے، بخلاف اسکے فارسی مین، ناصر خسرو، عمر خیام، سحابی نجفی، مولانا روم، عرفی وغیرہ نے ہر قسم کے فلسفہ کے مسائل اور خیالات ادا کر دیے ہین،

اخلاق | اخلاقی شاعری عرب مین تھی لیکن فارسی کی طرح مستقل حیثیت نہین رکھتی تھی، قصائد مین اخلاقی خیالات ادا کر دیتے تھے، بخلاف اس کے فارسی مین سیکڑون مثنویان اخلاق مین لکھی گئین، جن مین مسائل اخلاق مثلاً عفت، شجاعت، ہمت، توکل، استغفار کے عنوان قائم کئے گئے، اور ہر عنوان کو نہایت تفصیل کے ساتھ لکھا،

تصوف | تصوف مین بھی عربی کم مایہ ہے، لے دے کر ابن فارض اور محی الدین عربی کا دیوان ہے لیکن فارسی نے تصوف کے دریا بہا دیئے،

غزل | غزل کو بھی ایران نے بے انتہا ترقی دی، چنانچہ ان تمام خصوصیتون کی تفصیل الگ الگ مستقل عنوانون کے ذیل مین آئے گی،

تنوع خیالات | فارسی شاعری عموماً عرب کی شاعری سے بہت زیادہ ہے، اس کے ساتھ اس کے

حدودِ حکومت بہت وسیع ہین، جس کے مقابلہ مین عرب کی وسعت نقطہ سے بھی کم ہے، اس بنا پر گوناگون اور رنگ برنگ کے خیالات جو فارسی مین پائے جاتے ہین عرب مین نہین مل سکتے،

جدتِ تشبیہات | ایران، آب وہوا اور زمین کی شادابی کی وجہ سے بہشت کا چمن زار ہے، اس لئے ایرانی شاعری کے لئے تشبیہات کا جو سرمایہ ہاتھ آسکتا تھا، عرب کو نصیب نہین ہو سکتا تھا، مثلاً عرب کا شاعر دہن کی تعریف مین بڑی قوتِ تخیل صرف کرتا ہے تو انگوٹھی کے حلقہ سے تشبیہ دے کر رہ جاتا ہے، لیکن ایران کا خیال، بند درج گوہر، چشمہ نوش، پستہ، غنچہ، ذرہ، جوہر فرد سب کچھ دے جاتا ہے، اور پھر اسکی تشبیہ کا خزانہ خالی نہین ہوتا،

امرء القیس، عرب کا سب سے بڑا شاعر معشوق کی انگلی کو مسواک، اور اسروع سے تشبیہ دیتا ہے جو جنگل کا ایک کیڑا ہوتا ہے لیکن فارسی کا شاعر اس کو دم قاقم سے تشبیہ دیتا ہے،

آن دلآویزدار دراز نرمی | ہر انگشت چون دم قاقم

غرض تشبیہات کی لطافت اور استعارات کی نزاکت جو فارس مین پائی جاتی ہے عرب مین اس کا پتہ نہین لگ سکتا، بےشبہہ متاخرین عرب کے کلام مین بھی ہر قسم کے لطیف استعارے و تشبیہات پائے جاتے ہین، لیکن یہ شعرا یا تو خود عجمی ہین، یا عجم مین نشو ونما پایا ہے، اس لئے ان کی شاعری درحقیقت فارسی شاعری ہے، صرف زبان کا فرق ہے،

(الندوہ، ج ۵ نمبر ۳، اپریل ۱۹۰۸ء)

سرسیّد مرحوم اور اردو لٹریچر

سرسید کے جس قدر کارنامے ہین اگرچہ رفارمیشن اور اصلاح کی حیثیت ہر جگہ نظر آتی ہے لیکن جو چیزین خصوصیت کے ساتھ اُن کی اصلاح کی بدولت ذرہ سے آفتاب بن گئین اُن مین ایک اردو لٹریچر بھی ہے، سرسید ہی کی بدولت اردو اس قابل ہوئی کہ عشق و عاشقی کے دائرہ سے نکل کر ملکی، سیاسی، اخلاقی، تاریخی ہر قسم کے مضامین اس زور اور اثر، وسعت و جامعیت سادگی اور صفائی سے ادا کر سکتی ہے، کہ خود اس کے استاد یعنی فارسی زبان کو آج تک یہ بات نصیب نہین، ملک مین آج بڑے بڑے انشا پرداز موجود ہین، جو اپنے اپنے مخصوص دائرہ مضمون کے حکمران ہین، لیکن ان مین سے ایک شخص بھی نہین، جو سرسید کے بارِ احسان سے گردن اٹھا سکتا ہو، بعض بالکل اُن کے دامنِ تربیت مین پلے ہین، بعضون نے دور سے فیض اٹھایا ہے، بعض نے مدعیانہ اپنا الگ رستہ نکالا، تاہم سرسید کی فیض پذیری سے بالکل آزاد کیونکر رہ سکتے تھے،

سرسیّد کی جس زمانہ مین نشو و نما ہوئی دلی مین اہل کمال کا مجمع تھا، اور امراء اور رؤسا سے لے کر ادنی طبقہ تک مین علمی مذاق پھیلا ہوا تھا، سرسید جس سوسائٹی کے ممبر تھے اُس کے بڑے ارکان مفتی صدر الدین خان آزردہ، مرزا غالب اور مولانا صہبائی تھے، ان مین سے ہر شخص تصنیف و تالیف کا مالک تھا، اور ان ہی بزرگون کی صحبت کا اثر تھا، کہ سرسیّد نے ابتدا ہی مین جو مشغلہ علمی اختیار کیا، وہ تصنیف و تالیف کا مشغلہ تھا،

اول وہ رواج عام کے اقتضا سے شاعری کے میدان مین آئے، آہی تخلص اختیار کیا، اور اردو مین ایک چھوٹی سی مثنوی لکھی جس کا ایک مصرعہ انہی کی زبانی سُنا ہوا مجھے یاد ہے، ع

نام میرا تھا کام ان کا تھا

لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان کو شاعری سے مناسبت نہ تھی، اس لئے وہ بہت جلد اس کوچہ سے نکل آئے، اور نثر کی طرف توجہ کی چونکہ حقائق اور واقعات کی طرف ابتدا سے میلان تھا اس لئے دلی کی عمارتون اور یادگارون کی تحقیقات شروع کی، اور نہایت محنت و کوشش سے اس کام کو انجام دیکر ۱۸۴۷ء مین ایک مبسوط کتاب لکھی جو آثار الصنادید کے نام سے مشہور ہے، اس وقت اگرچہ سرسید کے سامنے اردو نثر کے بعض بعض عمدہ نمونے موجود تھے خصوصاً میر امن صاحب کی چہار درویش جو ۱۸۰۲ء مین تالیف ہوئی تھی، اور جس کی سادگی، صفائی اور واقعہ طرازی آج بھی موجودہ تصنیفات کی ہمسری کا دعوی کر سکتی ہے، اس کے ساتھ مضمون جو اختیار کیا گیا تھا، یعنی عمارات اور ابنیہ کی تاریخ وہ تکلف اور آورد سے ابا کرتا تھا، تاہم آثار الصنادید مین اکثر جگہ بیدل اور ظہوری کا رنگ نظر آتا ہے،

اس کی وجہ یہ تھی کہ سرسید کی راتون کی صحبت مولانا امام بخش صہبائی سے رہتی تھی اور مولانائے موصوف بیدل کے ایسے دلدادہ تھے، کہ ان کا کلمہ پڑھتے تھے، اور جو کچھ لکھتے تھے، اسی طرز مین لکھتے تھے،

سرسید نے مجھ سے خود بیان کیا کہ آثار الصنادید کے بعض بعض مقامات بالکل مولانا امام بخش صہبائی کے لکھے ہوئے ہین، جو انھون نے میری طرف سے اور میرے نام سے

لکھ دیتے تھے،

بہرحال اس کتاب مین جہان جہان انشا پردازی کا زور دکھایا ہے اس کا نمونہ یہ ہے:-

"ان حضرت کی طبع رسا شکل رابع سے پہلے اس سے نتیجہ حاصل کرتی ہی کہ بدیہی الانتاج

سے ارباب فہم و ذکا، اور ناخن فکر عقدۂ لاینحل کو پہلے اس سے وا کرتا ہو کہ گرہ جناب

کو انگشت مدرج دریا عنی انہی اس درجہ کو راست و درست سمجھ لیا، کہ زبان سوسن

نے کیا کہا، اور رمز شناسی اس مرتبہ کو واقعی معلوم ہوگیا، کہ نگاہ نرگس نے کیا

اشارہ کیا، اگر ان کی راے روشن حجر نما ہو تو نقطۂ موہوم کو انگشت سے تقسیم کرے

اور جزو لایتجزیٰ کو دو نیم"

اگرچہ اس سے بہت پہلے یعنی ۱۸۳۶ء مین مولوی محمد حسین آزاد کے والد

بزرگوار مولوی محمد باقر نے اردو اخبار کے نام سے اردو کا ایک پرچہ نکالا تھا، اور خود سر سید

نے ایک پرچہ جاری کیا تھا جس کا نام سید الاخبار تھا، اور دونون پرچون کی زبان ضرورت

کے اقتضا سے سادہ اور صاف ہوتی تھی، تاہم اس وقت تک یہ زبان علمی زبان نہین

سمجھی جاتی تھی، اس لئے جب کوئی شخص علمی حیثیت سے کچھ لکھتا تھا، تو اسی فارسی نما طرز

مین لکھتا تھا، سرسید نے بھی اسی وجہ سے آثار الصنادید مین جہان انشا پردازی سے کام

لیا، اسی طرز کو برتا،

آثار الصنادید جس زمانہ مین نکلی، اس کے تھوڑے ہی دنون کے بعد تقریباً ۱۸۵۰ء

مین دلی کے مشہور شاعر مرزا غالب نے اردو کی طرف توجہ کی، یعنی مکاتبات وغیرہ

اردو مین لکھنے شروع کئے، اور چونکہ وہ جس طرف متوجہ ہوتے تھے، اپنا کوچہ الگ نکال کر

رہتے تھے، اس نے انھون نے تمام ہم عصرون کے برخلاف مکاتبہ کو مکالمہ کر دیا، مکاتبات

مین وہ بالکل اس طرح اداے مطالب کرتے تھے، جیسے دو آدمی آمنے سامنے بیٹھے باتین کر رہے ہین، اس کے ساتھ بہت سے خطوط مین انسانی جذبات، مثلاً رنج و غم، مسرت و خوشی حسرت و بیکسی کو نہایت خوبی سے ادا کیا ہے، اکثر جگہ واقعات کو اس بے ساختگی سے ظاہر کیا ہے، کہ واقعہ کی تصویر آنکھون کے سامنے پھر جاتی ہے، اس لحاظ سے یہ کہنا بیجا نہین، کہ اردو انشا پردازی کا آج جو انداز ہے، اور جس کے مجدد اور امام سر سید مرحوم تھے، اس کا سنگِ بنیاد دراصل مرزا غالب نے رکھا تھا،

سر سید کو مرزا سے جو تعلق تھا، وہ ظاہر ہے، اس لئے کچھ شبہہ نہین ہو سکتا، کہ سر سید ضرور مرزا کی طرز سے مستفید ہوئے،

اسی زمانہ مین ہندوستان کے ہر حصہ مین کثرت سے اردو اخبارات جاری ہو گئے، اور انشا پردازی کو روز بروز ترقی ہوتی گئی، اخبارات کو ہر قسم کے اخلاقی، تمدنی، ملکی، مذہبی تاریخی مسائل سے کام پڑتا تھا، اس لئے ہر قسم کے مضامین لکھے گئے، تاہم انشا پردازی کا کوئی خاص اسٹائل متعین نہین ہوا تھا، اس کے علاوہ جو کچھ تھا، ابتدائی حالت مین تھا،

سنہ ۱۲۸۷ھ مین جس کو آج کم و بیش ۲۷ برس ہوئے، سر سید نے قوم کی حالت کی اصلاح کے لئے تہذیب الاخلاق کا پرچہ نکالا، اور اردو انشا پردازی کو اس رتبہ پر پہنچا دیا جس کے آگے اب ایک قدم بڑھانا بھی ممکن نہین، سر سید نے اردو میں جو باتین پیدا کین، اس کو مختصراً تہذیب الاخلاق مین خود ایک مقام پر لکھتے ہین، اُن کی خاص عبارت یہ ہے،

"جہان تک ہم سے ہو سکا ہم نے اردو زبان کی علم و ادب کی ترقی مین اپنے ان ناچیز پرچون کے ذریعہ سے کوشش کی، مضمون کے ادا کا ایک سیدھا اور صاف طریقہ اختیار کیا، رنگین عبارت سے جو تشبیہات اور استعارات خیالی سے بھری ہوئی ہے، اور

جس کی شوکت صرف لفظون ہی لفظون مین رہتی ہے، اور دل پر اس کا کچھ اثر نہین ہوتا، پرہیز کیا، اسکے مین کوشش کی کہ جو کچھ لطف ہو مضمون کے ادا مین ہو، جو اپنے دل مین ہو، وہی دوسرے کے دل مین پڑے تاکہ دل سے نکلے۔ اور دل مین بیٹھے"

اس آرٹیکل مین سرسید نے انشاپردازی کے اور بہت سے اصول بتائے ہین جن کو اس موقع پر ہم اختصار کی وجہ سے قلم انداز کرتے ہین،

سرسید کی انشاپردازی کا سب سے بڑا کمال یہ ہو کہ ہر قسم کے مختلف مضامین پر کچھ نہ کچھ بلکہ بہت کچھ لکھا ہے، اور جس مضمون کو لکھا ہے اس درجہ پر پہنچا دیا ہو کہ اس سے بڑھکر ناممکن ہے، فارسی اور اردو مین بڑے بڑے شعرا اور نثار گذرے ہین، لیکن ان مین ایک بھی ایسا نہ تھا، جو تمام قسم کے مضامین کا حق ادا کر سکتا،

فردوسی بزم مین رہجاتا ہے، سعدی رزم کے مرد میدان نہین، نظامی رزم و بزم دونون کے استاد ہین لیکن اخلاق کے کوچہ سے آشنا نہین، ظہوری صرف مدحیہ نثر لکھ سکتا ہے، برخلاف اس کے سرسید نے اخلاق، معاشرت، پالٹیکس، مناظر قدرت وغیرہ وغیرہ سب پر لکھا ہے، اور جو کچھ لکھا ہے، لاجواب لکھا ہے، مثال کے طور پر بعض بعض مضامین کے جستہ جستہ فقرے نقل کرتے ہین، امید کی خوشی پر ایک مضمون لکھا ہے جس مین امید کو مخاطب کیا ہے، اس کے چند فقرے یہ ہین:۔

"دیکھ نادان بے بس بچہ گہوارہ مین سوتا ہے، اس کی مصیبت زدہ مان اپنے دھندے مین لگی ہوئی ہے، اور اس گہوارہ کی ڈوری بھی ہلاتی جاتی ہے، ہات کام مین اور دل بچہ مین ہے، اور زبان سے اس کو یون لوری دیتی ہے، سورہ میرے بچے سورہ،

اے اپنے باپ کی مورت اور میرے دل کی ٹھنڈک سورہ، اے میرے دل کی کونپل سورہ، بڑھ، اور پھل پھول، تجھ پر کبھی خزان نہ آئے، تیری ٹہنی مین کبھی کوئی خار نہ پھوٹے، کوئی کٹھن گھڑی تجھ کو نہ آئے، سورہ میرے بچے سورہ، میری آنکھون کے نور اور میرے دل کے سرور میرے بچے سورہ، تیرا مکھڑا چاند سے بھی زیادہ روشن ہوگا، تیری خصلت تیرے باپ سے بھی اچھی ہوگی، تیری شہرت، تیری لیاقت تیری محبت جو تو ہم سے کرے گا، ہمارے دل کو تسلی دین گی، سورہ میرے بچے سورہ، سورہ میرے بالے سورہ،

"یہ امید کی خوشیان مان کو اس وقت تھین جب کہ بچہ غون غان بھی نہین کرسکتا تھا، مگر جب وہ ذرا اور بڑا ہوا، اور معصوم ہنسی سے مان کے دل کو شاد کرنے لگا، اور امان امان گھنا سیکھا، اس کی پیاری آواز ادھورے لفظون مین اس کی مان کے کان مین پہونچنے لگی، آنسوؤن سے اپنی مان کی آتشِ محبت کے بھڑکانے کے قابل ہوا، پھر مکتب سے اس کو سروکار پڑا، رات کو مان کے سامنے دن کا پڑھا ہوا سبق عمزدہ دل سے سنانے لگا، اور جب کہ وہ تارون کی چھاؤن مین اٹھ کر منہ ہاتھ دھو کر اپنے مان باپ کے ساتھ صبح کی نماز مین کھڑا ہونے لگا، اور اپنے بے گناہ دل بے گناہ زبان سے، بے ریا خیال سے خدا کا نام پکارنے لگا، تو امید کی خوشیان اور کس قدر زیادہ ہوگئین، اور ہماری پیاری امید! تو ہی ہے جو مہد سے لحد تک ہمارے ساتھ ہے"

وہ دلاور سپاہی لڑائی کے میدان میں کھڑا ہے، کوچ پہ کوچ کرتے تھک گیا ہے، لڑائی کے میدان مین جب کہ بہادرون کی صفین کی صفین چپ چاپ کھڑی ہوتی ہین

اور لڑائی کا میدان ایک سنسان کا عالم ہوتا ہے، دلون مین عجیب قسم کی خوف ملی ہوئی جرأت ہوتی ہے، اور جب کہ لڑائی کا وقت آتا ہے اور وہ آنکھ اُٹھا کر نہایت بہادری سے بالکل بے خوف ہوکر لڑائی کے میدان کو دیکھتا ہے، اور جب کہ بجلی سی چمکنے والی تلوارین اور سنگینین اُس کی نظر کے سامنے ہوتی ہین، اور بادل کی سی کڑکنے والی اور آتشین پہاڑ کی سی آگ برسانے والی توپون کی آواز سنتا ہے، اور جب کہ اپنے ساتھی کو خون مین لتھڑا ہوا زمین پر پڑا ہوا دیکھتا ہے، تو اے بہادرون کی قوت بازو! اور اے بہادر دلون کی مان! تیرے ہی سبب فتحمندی کا خیال اس کے دل کو تقویت دیتا ہے، اس کا کان نقارہ مین سے تیرے ہی نغمہ کی آواز سنتا ہے"

تم دیکھ سکتے ہو کہ ان چند سطرون مین کس طرح نیچر کی تصویر کھینچی ہے، اور اس مین کس قدر زور اور اثر پیدا کیا ہے،

پالٹیکس کا راستہ اس سے بالکل الگ ہے،

پنجاب مین جب یونیورسٹی قائم ہو رہی تھی جس مین اورنٹیل تعلیم پر بہت زور دیا گیا تھا، سر سید کو یہ خیال پیدا ہوا کہ اس سے پالٹیکس کی بنا پر ہم کو اعلیٰ تعلیم سے روکنا مقصود ہے، اس وقت سر سید نے پے درپے تین آرٹیکل لکھے، اُن آرٹیکلون نے یونیورسٹی کے بانیون کو اس قدر گھبرا دیا کہ خاص اُن آرٹیکلون کے جواب مین سیکڑون مضامین لکھے گئے، اور اُن کا مجموعہ یکجا کر کے ایک مستقل کتاب تیار کی، افسوس ہے کہ اختصار کی وجہ سے ہم اُن آرٹیکلون کا کوئی حصہ نقل نہین کر سکتے،

سر سید نے انشا پردازی کی ترقی کے جو طریقے ایجاد کئے، ان مین ایک یہ تھا کہ بہت سے اعلیٰ درجہ کے انگریزی مضامین کو اردو زبان کا قالب پہنایا، لیکن ترجمہ کے ذریعہ سے نہین،

کیونکہ یہ طریقہ اب تک بے سود ثابت ہوا ہے، بلکہ اس طرح کے انگریزی کے خیالات اردو مین اردو کی خصوصیات کیساتھ ادا کئے، امید کہ خوشی کا مضمون جس کے ہم نے بعض فقرات اوپر نقل کئے، دراصل ایک انگریزی مضمون سے ماخوذ ہے، انگریزی مین اڈیسن، اور اسٹیل بڑے مضمون نگار گذرے ہین، سر سید نے ان کے متعدد مضامین کو اپنی زبان مین ادا کیا،

سر سید کی انشا پردازی کا بڑا کمال اس موقع پر معلوم ہوتا ہے جب وہ کسی علمی مسئلہ پر بحث کرتے ہین، اردو زبان چونکہ کبھی علمی زبان کی حیثیت سے کام مین نہین لائی گئی، اس مین علمی اصطلاحات، علمی الفاظ اور علمی تلمیحات بہت کم ہین، اس لئے اگر کسی علمی مسئلہ کو اردو مین لکھنا چاہو تو الفاظ مساعدت نہین کرتے، لیکن سر سید نے مشکل سے مشکل مسائل کو اس وضاحت، صفائی اور دلآویزی سے ادا کیا ہے، کہ پڑھنے والا جانتا ہو کہ وہ کوئی دلچسپ قصہ پڑھ رہا ہے،

پروفیسر رینان نے جو فرانس کا ایک بڑا مشہور مصنف گذرا ہے، اپنے ایک مضمون مین لکھا ہے کہ "عربی زبان مین یہ صلاحیت نہین کہ وہ فلسفی مسائل کو ادا کر سکے"، رینان جن مسائل کے ادا کرنے کے لئے عربی زبان کو ناقابل سمجھتا ہے (گو اس کا یہ خیال محض غلط ہے) سر سید نے اردو جیسی کم مایہ زبان مین وہ مسائل ادا کر دیئے ہین، سر سید نے فلسفۂ الٰہیات پر جو کچھ اپنی مختلف تحریرون مین لکھا ہے، وہ فلسفہ کے اعلیٰ درجہ کے مسائل ہین،

زمانہ جانتا ہے کہ مجھکو سر سید کے مذہبی مسائل سے سخت اختلاف تھا، اور مین ان کے بہت سے عقائد و خیالات کو بالکل غلط سمجھتا تھا، تاہم اس سے مجھکو کبھی انکار نہ ہو سکا کہ ان مسائل کو سر سید نے جس طرح اردو زبان مین ادا کیا ہے کوئی اور شخص کبھی ادا نہین کر سکتا،

سر سید کی تحریرون مین جابجا ظرافت اور شوخی بھی ہوتی ہے، لیکن نہایت تہذیب اور

لطافت کے ساتھ مولوی علی بخش خان صاحب مرحوم جو سرسید کے رد مین رسالے لکھا کرتے تھے،
حرمین شریفین گئے، اور وہان سے سرسید کی تکفیر کا فتوی لائے، اس پر سرسید ایک موقع
پر تہذیب الاخلاق مین لکھتے ہین،

"جو صاحب ہماری تکفیر کے فتوے لینے کو مکہ معظمہ تشریف لے گئے تھے، اور ہمارے کفر
کی بدولت ان کو حج اکبر نصیب ہوا، اُن کے لائے ہوئے فتوؤن کے دیکھنے کے ہم بھی مشتاق ہین

بہ بین کرامت بتخانہ مرا اے شیخ — کہ چون خراب شود خانہ خدا گردد

سبحان اللہ ہمارا کفر بھی کیا کفر ہے، کہ کسی کو حاجی اور کسی کو ہاجی، اور کسی کو کافر
اور کسی کو مسلمان بناتا ہے،

باران کہ در لطافت طبعش خلاف نیست — در باغ لالہ روید و در شورہ بوم خس"

تہذیب الاخلاق جب بند ہوا ہے، تو سرسید نے خاتمہ پر جو مضمون لکھا ہے، اس کے ابتدائی
فقرے یہ ہین،:-

"سوتون کو جھنجھوڑتے ہین، کہ جاگ اٹھین، اگر اٹھ کھڑے ہوئے تو مطلب پورا
ہوگیا، اور اگر نیند مین اٹھانے سے کچھ بڑبڑائے، کچھ جھنجھلائے، ادھر ہات جھٹک دیا،
ادھر پیر جھٹک دیا، اور اینڈے پڑے سوتے رہے، تو بھی توقع ہوئی، کہ تھوڑی دیر
بعد جاگ اٹھین گے، شاید ہمارے بھائیون کی اس اخیر درجہ تک نوبت آگئی ہے،
اگر یہ خیال ٹھیک ہو تو ہم کو بھی زیادہ نہ چھیڑنا چاہئے، بچے اٹھاتے وقت کہہ اٹھتے ہین
کہ ہم کو اٹھائے جاؤ گے، تو ہم اور پڑے رہین گے، تم ٹھہر جاؤ ہم آپ ہی اٹھ کھڑے ہون گے
بچہ کڑوی دوا پیتے وقت بسور کر ماں سے کہتا ہے کہ بی بلا یہ مت کیے جاؤ کہ شاباش بیٹا
پی لے پی لے، تم چپ رہو، مین آپ ہی پی لون گا، لو بھائیو اب ہم بھی نہین کہتے کہ

اٹھو پی لو پی لو"

حقیقت یہ ہے کہ سر سید نے اردو انشا پردازی پر جو اثر ڈالا ہے اس کی تفصیل کے لیے دو چار صفحے کافی نہین ہو سکتے، یہ کام درحقیقت مولانا حالی کا ہے، وہ لکھین گے اور خوب لکھین گے، بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ لکھ چکے ہین، اور خوب لکھا ہوگا، مین کالج کی طرف سے مجبور کیا گیا تھا کہ اس وقت جب کہ تمام ملک مین سر سید کا آوازۂ ماتم گونج رہا ہے، اور ہر شخص اُن کے کارنامون کے سننے کا شائق ہے، کچھ نہ کچھ مختصر طور پر فوراً لکھنا چاہئے، مین نے اسی کی تعمیل کی، ورنہ مین مولانا حالی کی مقبوضہ سرزمین مین مداخلت کا کوئی حق نہین رکھتا، اور اس شعر کا مصداق بننا نہین چاہتا،

بھلا تردد بیجا سے اس مین کیا حاصل ‌ ‌ ‌ ‌ اُٹھا چکے ہین زمیندار جن زمینون کو

(محمڈن اینگلو اورنٹیل کالج میگزین علی گڈھ مئی ۱۸۹۸ء)

املا اور صحتِ الفاظ

ایک معزز اور محترم بزرگ نے جو ہندوستان کے مشہور صاحبِ قلم اور معاملات ملکی مین بڑے اہل الرائے ہین، ہم کو ایک نہایت طولانی خط لکھا ہے جس مین سخت افسوس کے ساتھ اس بات کی شکایت کی ہے کہ نا اہلون کی وجہ سے اردو زبان روز بروز بگڑتی جاتی ہے، اور اگر اس کا تدارک نہین کیا جاتا تو ہماری قومی زبان برباد ہوئی جاتی ہے، اُن کے خاص الفاظ یہ ہین :-

"آج کل مین دیکھتا ہون کہ اردو کے اخبار اور رسائے جو انگریزی پڑھے ہوئے مضامین نگار لوگ نکال رہے ہین، یا اخبارون وغیرہ مین مضامین لکھتے ہین، ان غریبون کے ہاتھ سے بیچاری اردو کی ایسی مٹی خراب ہونی شروع ہوئی ہے کہ توبہ! مضامین کا عمدہ ہونا دوسری بات ہے، مگر زبان، یعنی الفاظ اور املا کی غلطیان ایسی ہوتی ہین کہ میرا تو اکثر اُن کے پڑھنے تک سے دل نفرت کرتا ہے، یہ حالت خود انہی کے لئے قابلِ افسوس نہین ہے، بلکہ ایسی غلط عبارتون اور تلفظون کے شیوع سے آیندہ بہت ہی بُرے نتائج پیدا ہون گے، لاہور کے ایک غیر انگریزی دان پُرانے اخبار نویس نے جو بیچارہ سوائے عربی کے صرف معمولی سی فارسی پڑھا ہوا تھا، لفظ جناب کا مونث جنابہ بنایا، اب مین دیکھتا ہون کہ اُن کی بدولت یہ جنابت ایسی بُری طرح پھیلتی جاتی ہے کہ توبہ،

لفظ انذار اور نظر مین فرق نہین کیا جاتا، بجائے نافیہ کے منفی، میرے خیال مین غلط ہے، اس کا استعمال برابر ہو رہا ہے، موافقت کے مقابلہ مین لفظ نفاق لکھا جا رہا ہے، اور جو کوئی کسی امر مین رائے مخالف رکھتا ہو، اس کو اس طرح پر خواہ مخواہ منافق کہا جاتا ہے" آپ فلان امر کے لئے مجاز نہین ہین، اس کی جگہ لکھتے ہین، کہ آپ کو اس بات کا کیا مجاز ہے، محاذی کی جگہ محاذا اور ایک بڑی ضخیم کتاب کے نویسندہ صاحب نے بجائے لفظ منادی یعنی واعظ کے مناد بروزن قناد و شداد اختراع کیا ہے، وغیرہ وغیرہ" آپ کی خدمت مین یہ شکایت اس لئے لکھتا ہون کہ آپ کے اہتمام سے (جو شاید برائے نام ہے) رسالہ کالج میگزین شائع ہوتا ہے، اس مین ایسی ایسی فاش غلطیان ہوتی ہین، کہ جن کو دیکھ کر بہت رنج ہوتا ہے، اور غضب یہ ہے کہ جب کہ اس پر لکھا جاتا ہے کہ مولانا محمد شبلیؒ صاحب کے اہتمام سے شائع ہوا، تو غور فرمائیے کہ بیچارے انگریزی خوان اردو نویسون کے لئے تو گمراہ ہو جانے کے لئے ایک بڑی دلیل ہو جائیگی، جب کوئی اُن کو سمجھانا چاہے گا تو وہ یہی جواب دین گے کہ فلان مقام پر ہم نے ایسا ہی لکھا دیکھا ہے اور چونکہ وہ رسالہ جناب مولانا جیسے مستند شخص کے اہتمام سے شائع ہوتا ہے، تو یہ لفظ یا املا وغیرہ وغیرہ غلط کس طرح ہو سکتا ہے، اسی طرح ہمارے ایک عالی کرم فرما مصنف و مضمون نگار نے کہین ہمارے عرفی کا یہ شعر پڑھ لیا ہوگا ؎

آثار پدید است صنادید عجم را　　از نقش و نگار در و دیوار شکستہ

یا جناب سید صاحب کی کتاب کا نام آثار الصنادید سن لیا ہوگا، اب بے تکلف آثار قدیمہ کی نسبت لفظ صنادید لکھنا شروع کر دیا، اور اُن کی دیکھا دیکھی اور

لوگ بھی غلطی مین پڑتے جاتے ہین، ایک رسالہ آج کل بہار سے بنام اصلاح جاری ہوا ہے، اس کے ٹائٹل پیج پر جو ایک عربی کا حصہ ہے وہ قابلِ ملاحظہ ہے،

اگر آپ اخبار علی گڈھ کا ایک حصہ واسطے اصلاح ایسے اغلاط کے مخصوص فرماکر الفاظ واملاہاے غلط و محاورات غیر صحیح کی تصحیح فرمایا کرین تو دنیا پہ خصوصًا ہماری زبان اردو پر بڑا احسان ہو، ورنہ چند ہی سال مین ایک ایسی "گڈڈامی" اردو پیدا ہوگی کہ باید و شاید "فانظر الی الابل کیف خلقت" یہ ضرور نہین کہ کاتب مضمون کا نام لے کر اخبار مین نکتہ چینی کی جائے، بلکہ صرف اشارہ کے طور پر لکھا جاسکتا ہے، اور جب کہ ایک آدھ عالم اسی کام کے لیے وقف کیا جائے گا، تو لوگ خواہ مخواہ ناراض بھی نہ ہون گے، کیونکہ اس عام طریق سے کسی کی تضحیک اور توہین مقصود نہ ہوگی، بلکہ محض اصلاحِ زبان، زیادہ کہان تک سمع خراشی کرون،

سب سے پہلے مین اپنے محترم بزرگ کی خدمت مین یہ گذارش کرتا ہون کہ مین سال بھر سے کالج میگزین کا اڈیٹر نہین ہون، اس لیے اس کی غلطیون کا اگر واقعی مین ہین مین ذمہ دار نہین،

اصل بحث کی نسبت اس امر سے انکار نہین ہوسکتا کہ اردو زبان مین بہت سے ایسے الفاظ داخل ہوگئے اور ہوتے جاتے ہین، جو لغت اور ترکیب کے لحاظ سے غلط ہین، لیکن سوال یہ ہے کہ آیا یہ عام قاعدہ قرار پاسکتا ہے یا نہین کہ جو لفظ اصل لغت کے لحاظ سے غلط ہے، اس کا استعمال بھی عمومًا غلط ہے، فارسی زبان مین جب عربی کا اختلاط ہوا تو عربی کے سیکڑون الفاظ اور جملے شامل ہوگئے، فارسی کے شعرا ور نثار عمومًا علوم عربیہ مین نہایت مہارت رکھتے تھے، لیکن عربی الفاظ جو انھون نے برتے، اس قدر غلط برتے،

کہ آج کم مایہ اردودان اس سے زیادہ غلطی نہین کرسکتے، تاہم وہی فارسی آج تک مستند اور فصیح اور شیرین سمجھی جاتی ہے،

چند مثالین مین اس موقع پر نقل کرتا ہون،

ع بہ سخنہاے دروغِ تو تسلی شد و رفت، — سہیلی

" بنشست و قرآن خواند و بجنباند ہمی سر، — قاآنی

" حمام شریف شد فریب — واله

" شاخ بنفشہ چون بروز لفین دوست گشت! — منوچہری

" قوم اشرب الصبوح یا ایہا النائمین، — "

" در دبیرد بیندیش کاین خجستہ نہاد — عرفی

" سرو من طرح نو انداختہ، یعنی چہ، — حزین

اصل حقیقت یہ ہے کہ زبان کی ابتدا عوام سے ہوتی ہے، اور یہ گروہ صحتِ الفاظ سے بالکل بے خبر ہوتا ہے خواص اسی زبان کو لیکر کاٹ چھانٹ کر اصلاح کرتے ہین، اصلاح مین وہ بہت سے الفاظ کو اسی طرح چھوڑ دیتے ہین، جس کی وجہ کبھی تو یہ ہوتی ہے کہ وہ غلط الفاظ اس قدر عام استعمال مین رواج پا چکے ہوتے ہین کہ صحت کے ساتھ بولے جائین، تو عام لوگون کی سمجھ مین نہ آئین، اور کبھی یہ کہ یہ امر زبان کی عزت اور خودمختاری کی دلیل سمجھی جاتی ہے، کہ دوسری زبان کے الفاظ اس مین آئین تو اسی کے قالب مین ڈھلکر آئین،

فارسی اور اردو پر موقوف نہین، ہر زبان مین دوسری زبان کے الفاظ اگر اصلی حالت پر نہین رہتے، البتہ چونکہ اردو کوئی مستقل زبان نہین، بلکہ عربی، فارسی، ہندی کا مجموعہ ہے، اس لئے اس کو عربی فارسی وغیرہ کے الفاظ پر تصرف کا بہت کم حق حاصل ہے، اس لئے جہانتک

ہو سکے اس بات کا التزام زیادہ موزون ہے، کہ غیر زبانون کے الفاظ صحیح تلفظ اور ترکیب کے ساتھ قائم رکھے جائین، لیکن اس سے بھی انکار نہین ہو سکتا کہ اساتذۂ قدیم و جدید نے عربی و فارسی کے بہت سے الفاظ کو اردو زبان مین غلط طور سے برتا، اور آج وہی غلط استعمالات فصیح اور با محاورہ خیال کئے جاتے ہین،

بہر حال اس قسم کے الفاظ کے استعمال و عدم استعمال کے لئے جو قاعدہ کلیہ قرار پا سکتا ہے، وہ یہ ہے کہ جو الفاظ فصحا اور مسلّم الثبوت اہل زبان کے عام استعمال مین آ جائین وہ صحیح الاستعمال ہین، اور جن کو اہل زبان نے عموماً نہ قبول کر لیا ہو، ان کا استعمال صحیح نہین، اسی بنا پر جب مشہور اساتذہ مثلاً انیس و دبیر و آتش وغیرہ نے غلط الفاظ استعمال کئے، تو لوگون نے اسی وقت اعتراض کیا، کیونکہ وہ الفاظ فصحاء کے نزدیک استعمال عام کی سند نہین پا چکے تھے، اس لئے صرف ایک دو بزرگون کا استعمال گو وہ کیسے ہی مسلّم الثبوت استاد ہون صحت کی دلیل نہین قرار پا سکتا تھا،

ہمارے محترم بزرگ نے جن الفاظ کا ذکر کیا ہے وہ یقیناً فصحائے اہل زبان کے ہان مستعمل نہین ہین، اس لئے اُن کے غلط ہونے مین کچھ کلام نہین ہو سکتا، بے شبہہ ایسے الفاظ کو بہت سختی سے روکنا چاہیے، ورنہ زبان پر بہت بُرا اثر پڑے گا، کیونکہ اگر اس قسم کے الفاظ تحریر و تقریر مین کثرت سے پھیل گئے، تو ہر شخص کہان تک یہ تحقیق کرتا پھرے گا، کہ ان مین سے کون سے فصحا کے نزدیک مقبول ہو چکے ہین، اور کون غیر مقبول،

(محمڈن اینگلو اورنٹیل کالج میگزین علی گڈھ مارچ ۱۸۹۵ء)

اردو ہندی

۱۹۱۲ء مین الہ آباد گورنمنٹ نے ایک ورنیکولر اسکیم کمیٹی قائم کی تھی جس کا مقصد یہ تھا کہ اسکولون اور کالجون مین دیسی زبان کا کورس ایسی زبان مین مرتب کیا جائے جو اردو ہندی دونون زبانون مین ایک ہی عبارت و الفاظ کے ساتھ پڑھا جا سکے نیز اردو کے کورس مین بھاشا لٹریچر بھی ضروری قرار دیا جائے،

مسٹر برن چیف سکریٹری نے اس کے متعلق ایک اسکیم مرتب کی مولانا مرحوم اس کمیٹی کے ممبر تھے، اس اسکیم کے متعلق انھون نے جو خیالات ظاہر کئے تھے وہ حسب ذیل تحریر ہے،

یہ تحریر اس درجہ موثر رہی کہ مسئلہ کا فیصلہ خود ہندو ممبرون کی تائید سے مولانا ہی کی رائے پر ہوا، اور اس طرح اردو ہندی بنجانے سے بال بال بچ گئی،

مسٹر برن نے اپنی یادداشت مین جو تجویزین پیش کی ہین، ان مین اصلی اور مہتم بالشان مسائل دفعہ ۳ و ۴ مین ہین، ان دفعات کا ورناکیولر پر نہایت وسیع اور دیرپا اثر پڑ سکتا ہے، اس لئے ہم کو نہایت غور اور توجہ سے ان پر نظر ڈالنی چاہیئے،

دفعات ۳ و ۴ کا ماحصل یہ ہے،

"اردو زبان اور ہندی زبان، دراصل ایک ہی زبانین ہین، کیونکہ ان کی گرامر متحد ہے اور جن دو زبانون کی گرامر متحد ہوتی ہے، وہ زبانین دراصل ایک ہی ہوتی ہین، اس بنا پر

ورنیکولر کورس ایسی مشترک زبان مین بنا چاہیے کہ صرف رسم خط (کیرکٹر) کے فرق سے وہ،
اردو اور ہندی دونون بنجائے،

"لیکن ہندی زبان کی ایک یہ خصوصیت ہو کہ اس کی نظم و نثر کی گرامر مختلف ہے، اسلئے ہندی نظم کی گرامر کی واقفیت اور مہارت کے لئے راماین تلسی داس کورس مین داخل ہونی چاہئے، ہندوؤن کے لئے وہ لازمی کردی جائے، اور مسلمانون کے لئے بھی اس کا پڑھنا مناسب ہوگا،

اس تجویز پر بحث کرنے کے لئے ہم کو پہلے یہ فیصلہ کرلینا چاہئے کہ ہندی کے لفظ سے مسٹر برن کی کیا مراد ہے، ؟ ہندی دو قسم کی ہے، ایک جو دیہات مین بولی جاتی ہے، اور گنوار بولتے ہین، دوسری جو شہر مین تعلیم یافتہ ہندو روزمرہ استعمال کرتے ہین،

پہلی قسم کی ہندی تو کسی طرح کورس کی صلاحیت نہین رکھتی، جس کے دلائل حسب ذیل ہین،

(۱) یہ ہندی ہر ضلع کی الگ ہے، اور ان مین باہم اس قدر اختلاف ہے کہ ایک ضلع کا آدمی دوسرے ضلع کی ہندی کو مشکل سے سمجھ سکتا ہے اس لئے یہ فیصلہ کرنا ناممکن ہوگا کہ کس ضلع کے دیہات کی زبان کورس مین داخل کیجائے،

(۲) دیہات اور گنوارون کی زبان کسی ملک مین داخل نصاب نہین کیجا سکتی، اور نہ کبھی وہ علمی زبان قرار پاتی ہے، انگلستان مین دیہات کی انگریزی کسی نصاب تعلیم مین داخل نہین ہو، ایران اور عرب وغیرہ کا بھی یہی حال ہے،

(۳) یہ زبان معمولی روزمرہ کے مطالب کے ادا کرنے کے لئے کافی ہوسکتی ہے، لیکن وہ کوئی علمی زبان نہین بن سکتی، حالانکہ ورنیکولر کو اس حد تک ترقی دینا مقصود ہے کہ کالج

مقالات شبلی

سلاسون مین اخیر تک اس کا سلسلہ قائم رہے

اب جو کچھ بحث ہو سکتی ہو، وہ دوسری قسم کی ہندی کے متعلق ہو سکتی ہو،

اس مین شبہہ نہین کہ شہرون مین عموماً ہندو جو زبان بولتے ہین، وہ اور اردو زبان اصلاً ایک ہی زبانین ہین، یعنی اُن کے افعال اور اکثر مفرد الفاظ اور گرامر ایک ہی ہین، فرق یہ ہے کہ عام ہندو جو بالکل تعلیم یافتہ نہین ہوتے، یا جو پنڈت بھاشا اور سنسکرت مین زیادہ توغل رکھتے ہین، وہ فارسی عربی الفاظ کے بجائے زیادہ تر برج بھاشا یا سنسکرت کے الفاظ استعمال کرتے ہین، لیکن عام تعلیم یافتہ ہندو جو ہندو جو ہندوستانی زبان مین مضامین اور آرٹیکل اور رسالے لکھتے ہین، اُن کی اردو اور مسلمانون کی اردو مین مطلق فرق نہین ہوتا، متعدد علمی میگزین جن کے مالک و اڈیٹر ہندو ہین، مثلاً زمانہ کانپور، ادیب الہ آباد، زبان دہلی، ان مین ہندو انشا پرداز جو مضامین لکھتے ہین، ان کی زبان اور اعلیٰ درجہ کے مسلمان انشاپرداز ان کی زبان مین کچھ فرق نہین ہوتا، وہ عموماً عربی اور فارسی علمی الفاظ کثرت سے استعمال کرتے ہین، کیونکہ علمی خیالات کے لئے معمولی ہندی کے الفاظ کافی نہین ہو سکتے، اور سنسکرت کے الفاظ کی نسبت وہ جانتے ہین، کہ اگر استعمال کئے جائین، تو سمجھنے والون کی تعداد تھوڑی رہ جائے گی،

مسٹر برن کی غالباً یہ مراد ہو گی کہ ان دونون زبانون کا ایک ہی نصاب بننا چاہئے، اس کی مثال بھی موجود ہے، کیونکہ پرائمری اسکولون مین پانچوین درجہ تک جو کورس پڑھایا جاتا ہے، اور جس مین سے جنرل ریڈر اس سلسلہ کی اخیر کتاب ہے، دونون زبانون کے کورس مین داخل ہے،

لیکن اس کے متعلق حسب ذیل امور قابلِ لحاظ ہین،

اس قسم کی مشترک زبان، صرف اس حد تک کے لٹریچر کے لئے کافی ہوسکتی ہے جو نہایت معمولی مطالب اور خیالات کے ادا کرنے کے لئے کافی ہو جیسے کہ جنرل ریڈر کی زبان ہے لیکن جب کہ یہ مقصود ہے کہ ورنیکولر کا سلسلہ کالج کے اخیر کلاسون تک قائم رہے تو ایسے نصاب کے بنانے کی ضرورت ہوگی جس مین ہر طرح کے علمی مضامین اور علمی خیالات ادا کئے جائین اس حالت مین ان مضامین اور خیالات اور اصطلاحات کے ادا کرنے کے لئے عام روزمرہ کے الفاظ کافی نہ ہون گے، بلکہ کسی علمی زبان سے مستعار لینے پڑین گے، یہ علمی زبان عربی یا سنسکرت ہوگی، اور یہان سخت کشمکش پیدا ہوگی مسلمان ہرگز اس بات پر رضامند نہ ہون گے کہ بجائے ان عربی الفاظ کے جن کو ہر تعلیمیافتہ مسلمان نہایت آسانی سے فوراً سمجھ سکتا ہے، سنسکرت کے الفاظ سیکھین جو اُن کے لئے بالکل گوش ناآشنا ہین، ہندو بھی اگرچہ اگرچہ ان الفاظ سے درحقیقت گوش آشنا نہین ہون گے، لیکن وہ بطور ایثار کے اس محنت کو برداشت کرین گے، بہرحال جنرل ریڈر، مروجۂ حال سے آگے چل کر صاف فیصلہ کر دینا ہوگا کہ ہندی اور اردو کے کورس الگ الگ ہوجائین، ورنہ ان دونون زبانون کے مخلوط کرنے سے حسب ذیل نقصانات ہون گے،

(۱) ہمیشہ ایک کشمکش رہے گی، نصاب بنانے مین ہندو اور مسلمان دونون اپنی اپنی قومی زبان یعنی عربی اور سنسکرت کی طرفداری کرین گے اور کبھی کوئی اور کبھی کوئی فریق کامیاب ہوگا

(۲) دونون سے مل کر ایک نئی زبان پیدا ہوگی، جو نہ اردو ہوگی، نہ ہندی، اردو اور ہندی دونون زبانون کو اس حد تک ترقی دینا چاہئے کہ وہ علمی زبانین بنجائین، اور ان مین ہر قسم کے خیالات اور مضامین ادا کئے جاسکین، اور یہ اسی وقت ہوسکتا ہے جب دونون کو علیحدہ علیحدہ آزادی کے ساتھ ترقی کا موقع دیا جائے، اور ایک دوسری کی راہ مین حائل نہ ہو،

ہم کو اس بات پر بھی سب سے زیادہ نظر رکھنی چاہیئے کہ زبان کو اس حد تک ترقی دینی چاہیئے کہ اُس کی تصنیفات ہمارے صوبہ تک محدود نہ رہین، بلکہ ہندوستان کے تمام تعلیم یافتہ لوگون مین رواج پا سکین، یہ امر بالکل بدیہی ہے کہ ہندوستان کے تمام تعلیمیافتہ مسلمانون کی زبان اردو ہے، پنجاب، بنگال، مدراس، بمبی مین قابل اور لائق مسلمان جو تصنیفات انگریزی زبان کے علاوہ کرتے ہین، وہ اردو مین ہوتی ہین، اور یہ وہی اردو ہے جو سنسکرت الفاظ سے بالکل خالی ہے، اس لئے اگر اس زبان کو سنسکرت الفاظ مین لا کر ہندی اور اردو کی ایک زبان بنائی جائے گی تو ایک زبان جو تمام ہندوستان کی اور کم از کم یہ کہ تمام مسلمانون کی لینگوا فرنکا ہے گھٹ کر ایک صوبہ بلکہ ایک ضلع کی زبان رہجائے گی،

اب مین مسٹر برن کی اس منطق کی طرف متوجہ ہوتا ہون جو اُن کی تمام تجویزون کا سنگ بنیاد ہے یعنی یہ کہ ہندی اور اردو کی گرامر ایک ہین،

دو زبانون کی گرامر کے متحد ہو جانے سے صرف یہ ثابت ہو سکتا ہے کہ دونون ایک ہی خاندان کی زبانین ہین یا ایک دوسرے سے نکلی ہین، اسیرین زبانون مین گرامر کے اعتبار سے ایک عام اتحاد پایا جاتا ہے، اور یہ اتحاد بعض زبانون مین بہت زیادہ ہوتا ہے، تاہم وہ زبانین مختلف رہتی ہین، اور ان سے مشترک کورس نہین تیار ہو سکتا، عبری زبان کی جو گرامر آج کل بیروت مین شائع ہوئی ہے، اور جو ایک قدیم مستند تصنیف ہے، وہ عربی کے نہایت قریب ہے، اور اس اتحاد سے کسی طرح کم نہین جس قدر کہ ہندی اور اردو مین اتحاد ہے تاہم عبری اور عربی زبان کا کوئی مشترک کورس نہین بن سکتا،

اس کے علاوہ اگر دو زبانون کی گرامر ایک ہو، لیکن الفاظ بالکل مختلف ہون تو ان کو ایک زبان نہین کہہ سکتے، مشرقی ہندوستان کی زبانون کی گرامر قریباً بالکل متحد ہے باوجود

اس کے نہ وہ ایک زبانین کہی جاسکتی ہین، نہ اُن کا کوئی مشترک کورس بن سکتا ہے

مسٹر برن کا یہ دعوی اور سخت حیرت انگیز ہے کہ ہندی کی نظم کی ایک یہ خصوصیت ہو کہ اس کی گرامر نثر کی گرامر سے مختلف ہے، نظم و نثر مین گرامر کا ایک خفیف فرق تمام زبانون مین اس لحاظ سے ہوتا ہے، کہ نظم مین وزن کی ضرورت سے الفاظ آگے پیچھے کردیئے جاتے ہین لیکن اس کے لئے علحدہ گرامر بنانے کی ضرورت نہین ہوتی، متعلم خود سمجھ لیتا ہے کہ وزن کی ضرورت نے یہ تغیر کردیا ہے، ہندی زبان کی نظم کی گرامر نثر سے مختلف ہوگی، تو اسی قدر ہوگی، اس سے زیادہ اختلاف کی کوئی وجہ نہین ہو سکتی،

نظم کی گرامر کے مختلف ہونے سے جو استدلال کیا گیا ہے، اس مین سخت منطقی مغالطہ ہی رامائن کی گرامر مختلف ہے لیکن اس کی یہ وجہ ہو کہ آج سے تین سو برس پہلے کی زبان ہے، اس زمانہ کی اگر کوئی نثر ملے گی، تو آج کی نثر کی گرامر سے اسی قدر مختلف ہوگی جس قدر کہ نظم کی گرامر مختلف ہو،

رامائن کی زبان آج کل کی ہندی نہین ہے، اس لئے اس کا کورس مین داخل کرنا اگر اس لحاظ سے ہے کہ زبان کی وسیع واقفیت کے لئے اس کی ابتدائی حالت اور عہد بعہد کی تبدیلیون سے واقفیت ضروری ہے، تو یہ راے بالکل بجا ہے، لیکن اس غرض کیلئے دو امر کا لحاظ ضروری ہے،

ایک یہ کہ ایسا کورس اسکول کے لئے موزون نہین، بلکہ کالج کلاسون مین داخل ہونا چاہئے جس طرح کہ قدیم انگریزی زبان کی کوئی کتاب انٹرنس تک داخل نہین ہے

دوسرے یہ کہ اس قسم کا کورس خالص ہندی زبان کے لئے ہونا چاہئے، جو صرف اُن لوگون کے لئے بنایا جائے، جو ہندی بھاشا اور سنسکرت کی تحصیل کرنا چاہتے ہین، ایسا

کورس عام ورنیکولر کے لئے بالکل موزون نہین ہوسکتا،

اخیر مین مین نہایت زور سے کہتا ہون کہ نہایت ابتدائی درجون تک ایک سادہ زبان جو عربی اور سنسکرت دونون سے تقریبًا آزاد ہو، اختیار کی جاسکتی ہے لیکن ہائر کلاسون کے لئے اردو اور ہندی زبانون کو بالکل الگ الگ قائم کرنا چاہیئے۔ اور اسی صورت مین دونون اعلیٰ درجہ تک ترقی کرسکتی ہین،

گرامرون کے معمولی اشتراک سے دونون زبانون کو ایک قرار دینا اور اس کی بنا پر آخر درجہ تک دونون کا ایک نصاب بنانا سخت غلطی ہے، جس سے دونون زبانین برباد ہوجائین گی،

(معارف اکتوبر ۱۹۱۶ء)

بھاشا زبان

اور

مسلمان

"ناظرین کو یاد ہوگا کہ ایک سر برآوردہ ہندو اڈیٹر نے ایک مضمون لکھا تھا، جس مین دعوی کیا تھا کہ مسلمانون نے تعصب مذہبی کی وجہ سے ہندی علم ادب پر کبھی توجہ نہین کی، اور اگر اتفاقیہ کسی نے کچھ کی تو اس کو مسلمانون نے کافر کہکے پکارا" اس کا جواب الندوہ کے پرچہ مین "مسلمانون کی بے تعصبی" کے عنوان سے لکھا گیا تھا جس مین مسلمانون کی اُن فیاضیون کو بہ تفصیل دکھایا گیا تھا، جو سنسکرت اور بھاشا کی تصنیفات کی حفاظت، اور ترجمہ اور اشاعت کے متعلق ان سے ظہور مین آئین

یہ مضمون اسی کا دوسرا حصہ ہے، اس مین یہ دکھایا ہے کہ ترجمہ اور اشاعت کے علاوہ مسلمانون نے خود بھاشا زبان مین کیا کیا تصنیفات کین، اور بھاشا کی شاعری مین کس درجہ کا کمال پیدا کیا،

یہ امر بھی اس موقع پر لحاظ کے قابل ہے کہ سنسکرت زبان ایک مدت سے متروک ہو یعنی ایک زمانہ دراز سے خود ہندو بھی اس زبان مین تصنیف و تالیف نہین کرتے اور اسلام کے زمانہ سے تو غالباً کوئی کتاب اس زبان مین نہین لکھی گئی، ہندوؤن کی تصنیفات

یا شاعری جو کچھ ہے، بھاکھا زبان مین ہے، اس لئے مسلمانون نے بھی جو کچھ لکھا اسی بھاشا زبان مین لکھا"،

عام طور پر مشہور ہے کہ سب سے پہلے جس شخص نے بھاکھا زبان مین شعر و شاعری کی وہ حضرت امیر خسرو ہین، لیکن حقیقت یہ ہے، کہ اس سلسلہ کا پتہ آگے چلتا ہے، مسعود سعد سلمان جو سلطنت غزنویہ کا مشہور شاعر گذرا ہے، اور جو امیر خسرو سے تقریبًا دو سو برس پہلے تھا، اس کی نسبت تمام تذکرے متفق اللفظ ہین، کہ ہندی زبان مین بھی اُس نے ایک دیوان لکھا تھا، تذکرۂ مجمع الفصحا مین لکھا ہے،

"الحاصل وے را سہ دیوان بودہ تازی، ہندی و پارسی"،

اس واقعہ سے صرف والہ داغستانی نے اس بنا پر انکار کیا ہے کہ کوئی شخص کسی دوسرے ملک کی زبان مین اس قدر کمال نہین پیدا کر سکتا کہ اس مین شاعری کر سکے لیکن مولوی غلام علی آزاد نے اس شبہہ کو اس طرح رفع کر دیا کہ مسعود سعد سلمان، گو خاندان کے لحاظ سے ایرانی تھا لیکن پیدا لاہور مین ہوا تھا، اس لئے ایک ہندوستان زاد کا ہندی مین اس درجہ کا کمال پیدا کرنا کچھ بعید نہین،

حضرت امیر خسرو نے سنسکرت اور بھاکھا مین جو کمال پیدا کیا، وہ محتاج اظہار نہین، مثنوی نہ سپہر مین انھون نے خود اپنی سنسکرت دانی کا ذکر کیا ہے، افسوس ہے کہ ان کے بھاکھا کے خالص اشعار آج ناپید ہین، عام زبانون پر صرف وہ اشعار ہین جن مین انھون نے فارسی اور بھاکھا کو پیوند دیا ہے، مثلًا

چون شمع سوزان، چو ذرّہ حیران	ز مہر آن مہ بگشتم آخر
نہ نیند نینان نہ انگ چینان (آنکھ، بدن، آرام)	نہ آپ آدین نہ بھیجین پتیان (خط)

اس طرز کے اُن کے اشعار عام طور پر مشہور ہین اس لیے ہم اُن کو قلم انداز کرتے ہین،

امیر خسرو کے بعد شیر شاہی عہد مین ملک محمد جائیسی پیدا ہوئے، وہ بھاکا زبان کے ایسے بڑے زبردست شاعر تھے، کہ خود ہندؤن مین آج تک کوئی اُن کا ہمسر نہین پیدا ہوا، پدماوت اُن کی مثنوی آج موجود ہے، اور گھر گھر پھیلی ہوئی ہے، ہندؤون مین سب سے بڑا شاعر آخر زمانہ کا کالیداس گذرا ہے، جس نے رامائن کا بھاکا مین ترجمہ کیا ہے، نکتہ شناسون کا بیان ہے، کہ قدرتِ زبان کے لحاظ سے پدماوت کسی طرح رامائن سے کم نہین، اور اس قدر تو ہر شخص دیکھ سکتا ہے کہ پدماوت کے صفحہ پڑھتے چلے جاؤ، عربی فارسی کے الفاظ مطلق نہین آتے، اور یون شاذونادر تو رامائن بھی ایسے الفاظ سے خالی نہین، ملاحظہ ہو،

رامائن کے بعض اشعار

رام اینک گریب نواجے، (غریب نواز)	لوگ بر بر بر براجے،
گنی، گریب، گرام، نرناگر (غنی، غریب)	پنڈت موٹے ملین اوجاگر،

ملک محمد جائیسی نے پدماوت کے سوا بھاکا مین اور بھی دو مثنویان لکھین، جو اُن کے خاندان مین اب بھی موجود ہین، لیکن افسوس کہ اُن کے چھپنے کی نوبت نہین آئی،

اکبر کے زمانہ مین ہندی زبان کو اور بھی قبول عام حاصل ہوا، نوبت یہانتک پہنچی کہ امراے اور شہزادے تک ہندی زبان مین شاعری کرتے تھے، شہزادہ دانیال (پسر اکبر شاہ) کے ضمنی تذکرہ مین جہانگیر اپنی تزک مین لکھتا ہے:-

"بہ نغمہ ہندی مائل بود، گاہے، بہ زبان اہل ہند و باصطلاح ایشان شعرے می گفت، بدنبود"،

عبدالرحیم خان خانان جو دربار اکبری کا گل سر سبد تھا ہندی شاعری مین کمال

کا درجہ رکھتا تھا، اسی کتاب مین خان خاناں کے وفات کے ذکر مین لکھا ہے،

"خان خانان در قابلیت واستعداد یکتاے روزگار بود وزبان عربی وترکی وفارسی وہندی می دانست واز اقسام دانش عقلی ونقلی حتی علوم ہندی بہرۂ وافی داشت، بزبان فارسی وہندی شعر نیکو گفتے"،

جہانگیر کے زمانہ مین غواصی نام ایک شاعر تھا، اُس نے طوطی نامہ کو جو نثر مین تھا، اس طرح نظم کیا، کہ ایک مصرعہ فارسی اور ایک ہندی مین تھا، اس سے اس کی قدرتِ زبان کا اندازہ ہوسکتا ہے، میر حسن[1] صاحب اپنے تذکرۂ شعرا مین لکھتے ہین ؛:-

"غواصی تخلص در وقتِ جہانگیر بادشاہ بود، طوطی نامہ نخشبی را نظم نمودہ است بزبانِ قدیم نصفے فارسی ونصفے ہندی بطور بکٹ کہانی، سرسری دیدہ بودم شعر آن نظم بیاد نیست"

اسی زمانہ مین ملا نوری ایک بزرگ تھے، جو قصبہ اعظم پور کے قاضی زادون مین تھے، اور فیضی سے نہایت اتحاد رکھتے تھے، وہ اگرچہ فارسی کہتے تھے، لیکن کبھی کبھی ہندی مین بھی طبع آزمائی کرتے تھے، ریختہ یعنی اردو زبان کی ترکیبین بھی اُن کے کلام مین پائی جاتی ہین، چنانچہ میر حسن صاحب نے اپنے تذکرہ مین ان کا ایک شعر نقل کیا ہے،

ہر کس کہ خیانت کند البتہ بترسد
بیچارۂ نوری نہ کرے ہے نہ ڈرے ہے،

اکبری اور جہانگیری دور مین سب سے زیادہ جس نے اس فن مین نام پیدا کیا وہ شیخ شاہ محمد بن شیخ معروف فرملی تھے، یہ بلگرام کے رہنے والے تھے، اور حصار کی حکومت پر ممتاز تھے، ایک دفعہ سفر مین ایک ہندو لڑکی کی حاضر جوابی اُن کو بہت پسند آئی اس کو ساتھ لائے اور تربیت کی، چنانچہ اُن کے اکثر دوہے، اور کبت، اسی کے ساتھ سوال وجواب مین ہین،

[1] میر حسن مصنف بدر منیر کا تذکرۂ شعراء ہمارے کتب خانے مین موجود ہے،

ایک دفعہ سفر سے آئے، اُس نے اُن کو مدت کے بعد دیکھا تو جوشِ محبت سے اس کی انکھوں سے آنسو نکل آئے، انھون نے کہا،

کم ورگ ڈھری شُنار   مم آیو بھایو نہین

کیون تیری انکھ آبدیدہ ہوئی اے نازنین، کیا میرا آنا پسند نہین ہوا

اُس نے برجستہ کہا،

سیتھن نین پکھار   لمن ہتی تو کہ درس بن

آنکھ صاف کرنا   گرد آلود تیرے دیدار کے بغیر

یعنی چونکہ میری آنکھین تمھاری جدائی مین گرد آلود ہورہی تھین، اس نے مین نے اُن کو آنسوؤن سے دھولیا،

شیخ محمدؐ کے اشعار نہایت کثرت سے سرو آزاد کے دوسرے[1] حصہ مین نقل کئے ہین،

---

[1] یہ بات جتا دینے کے قابل ہے کہ مولوی غلام علی آزاد نے سرو آزاد مین جو تذکرہ لکھا اس کے دو حصے کئے، ایک فارسی شعرا کے ذکر مین اور دوسرا ہندی یعنی بھاشا کہنے والون کے حالات مین، اُس دوسرے حصہ کی تمہید مین لکھتے ہین،

"فصل ثانی در ذکر قافیہ سنجان ہندی جزاہم اللہ بجائزۃ الخیر من ہیچدان بازبان عربی و فارسی و ہندی آشنا ایم و از ہر سہ میکدہ بقدر حوصلہ قدحے می پیمایم مشق سخن ہندی ہر چند اتفاق نیفتاد، اما سامعہ را از نوائے طوطیانِ ہند حظے وافر است و ذائقہ را از چاشنی شکر فروشان این گل زمین نصیبے متکاثر۔ افسون خوانانِ ہند ہم درین وادی پائے کمی ندارند بلکہ در فن نایکا بید قدم سحر سازی پیش می گذارند، موزونان زبان ہندی اور بلگرام فراوان جادہ نمودہ اند، لہٰذا فصل این جماعہ علیحدہ بہ تحریر رسید، و شمامہ معطرے بدست بو شناسان حوالہ گردید،

پھر اس حصہ کے خاتمہ مین لکھتے ہین،

تموری سلاطین بھاشا زبان کی شاعری کی اسی طرح قدردانی کرتے تھے، جس طرح وہ اپنی شاہی زبان (فارسی) کے قدردان تھے، اور یہ اس بات کا بڑا سبب تھا کہ ہندی شاعری بھی روز بروز ترقی کرتی جاتی تھی، راجہ سورج سنگھ نے جب ایک ہندو شاعر کو جہانگیر کے دربار مین پیش کیا، اور اس نے ایک اچھوتے مضمون کی نظم پڑھی تو جہانگیر نے ایک ہاتھی انعام مین دیا، چنانچہ خود تزک مین لکھتا ہے،

"باین تازگی مضمونے از شعراے ہند کم بگوش رسیدہ بہ جلدوے این مدح فیلے بہ او رحمت کردم"[1]

جہانگیر کے حکم سے ان اشعار کا فارسی مین ترجمہ بھی کیا گیا،

گر بپسر داشتے جہان افروز | شب نہ گشتے ہمیشہ بودے روز
زان کہ چون او نہفت افسر زر | بہ نمودے کلاہ گوشہ پسر
شکر کز بعد او چنان پدرے | جانشین گشت این چنین پسرے
کہ ز شنقار گشتن آن شاہ | کس بہ ماتم نہ کرد جامہ سیاہ

ان اشعار کا حاصل یہ ہے کہ اگر آفتاب کے کوئی بیٹا ہوتا تو کبھی رات نہ ہوتی کیونکہ جب آفتاب چھپ جاتا، تو اُس کا بیٹا، اُس کے بجائے عالم افروزی کرتا، خدا کا شکر ہے کہ آپ کے

بہ اقتضاے ترتیبے کہ درین تالیف اختیار افتادہ ختم کتاب بر نظم ہندی دست بہم دادہ، چہ مضائقہ بعض الفاظ ہندی جزو فرقان عظیم است

سرو آزاد کا یہ حصہ ہمارے دوست نواب نور الحسن خان خلف اکبر جناب نواب صدیق الحسن خان مرحوم نے اپنے تذکرہ طور کلیم مین تمامہ شامل کر لیا چنانچہ فروغ دوم مین جہان سے ہندی شعرا کا تذکرہ ہے عبارت تمہیدی بھی وہی سرو آزاد کی ہے مین اس مضمون مین بلگرامی شعراے بھاکا جو تذکرہ لکھون گا اور اُنکے اشعار نقل کرونگا وہ طور کلیم سے منقول ہونگے لیکن طور کلیم کا یہ حصہ دراصل سرو آزاد ہی طور کلیم چھپ گیا ہے اور ہر جگہ ملتا ہے اسلئے ناظرین کو بآسانی ہاتھ آسکتا ہے [1] تزک جہانگیری مطبوعہ علی گڈھ صفحہ ۶۷

والد (اکبر شاہ) کو خدا نے ایسا بیٹا دیا کہ لوگون نے اُن کے انتقال کا غم نہ کیا،

ہندی تصنیفات کے ساتھ مسلمانون کی توجہ کی یہ نوبت پہونچی، کہ لوگ ہندی کی مشہور کتابون کو زبانی یاد کرتے تھے، امین رازی تذکرہ ہفت اقلیم مین میر ہاشم محترم کے حال مین لکھتے ہین،

"امروز در ہندست، تمام کتاب مہابھارت را کہ مستجمع اسامی غریبہ و حکایات عجیب است

در نوکر دارد"

اس مسئلہ مین حیرت انگیز بات یہ ہے کہ عالمگیر کو نہایت متعصب کہا جاتا ہے، اور عام خیال ہے کہ وہ ہندوؤن کے علوم اور زبان سے نہایت نفرت رکھتا تھا، لیکن مسلمانون نے بھاشا زبان پر جس قدر اُس کے زمانہ مین توجہ کی پہلے کبھی نہین کی تھی ضمیر ایران کا ایک مشہور شاعر تھا، وہ عالمگیر کے زمانہ مین ایران سے آیا اور شاہی منصب دارون مین مقرر ہوا، اس نے بھاشا زبان مین انتہا درجہ کا کمال پیدا کیا، اگرچہ بھاشا و سنسکرت کے الفاظ کا وہ صحیح تلفظ نہین کرسکتا تھا، تاہم اس زبان مین نہایت برجستہ اشعار کہتا تھا، ہندی مین اُس کا تخلص پتھی تھا، پارجاتک جو موسیقی مین ہندی زبان کی ہندی ہے، اس کا ترجمہ اُسی نے فارسی زبان مین کیا، مولوی غلام علی آزاد بلگرامی ید بیضا مین اُس کے حالات کے ذیل مین لکھتے ہین،

"در عہد عالمگیر بادشاہ از ولایت ایران بہ ہند آمدہ در سلک منصبداران شاہی انتظام داشت و با وجود آں کہ بہ ہند آمدہ زبان این ولایت آموخت اما بواسطہ حدت ذہن، در نظم ہندی طبع او آن قدر دخیل شد کہ از جملہ استادان فن بر آمد زبانش بہ تلفظ این زبان خوب نمی گردید، اما نظم بسیار نخبہ واقع می شد و در ہندی پتھی تخلص میکرد

ترجمہ یار جانی تک مدفون قبس ملفوظات ہندی از دوست،

عالمگیر ہی کے متوسلین مین ایک امرشاہ عرف انا تخلص تھا، اس کی نسبت مولوی غلام علی آزاد بلگرامی، ید بیضا مین لکھتے ہین،

"نظم ہندی بسیار خوب گفتہ"

بھاشا کی زبان دانی اور شاعری کا ذوق اس زمانہ مین اس قدر عام ہوا کہ بڑے بڑے علما اور حضرات صوفیہ اس مین کمال پیدا کرتے تھے، شیخ غلام مصطفے متخلص بہ انسان بہت بڑے پایہ کے شخص گذرے ہین، وہ قوم کے کنبوہ اور مراد آباد کے رہنے والے تھے، معقولات کی تحصیل حضرت ملا قطب الدین شہید سہالوی (جد مولانا بحر العلوم) کی خدمت مین کی، حدیث کا فن محدث دہلوی کے خاندان سے حاصل کیا، تصوف مین شیخ جان محمد شاہجہان آبادی کے مرید تھے، طب، نجوم، خوشنویسی، فن جنگ، ان تمام چیزون مین کمال رکھتے تھے، عالمگیر کے زمانہ مین منصبداری کے عہدہ پر مامور ہوکر دکن گئے لیکن چند روز کے بعد استعفا دیکر چلے آئے ۱۱۴۲ھ مین بمقام اچھیپرہ وفات پائی،

ہندی زبان اور بھاشا کی شاعری مین ان کا جو درجہ تھا، اس کا اندازہ مولوی غلام علی آزاد کی عبارت ذیل سے ہوسکتا ہے،

"علم ہندی بجیثیتے کہ اکثر براہمہ حل غوامض از خدمت شیخ میکردند و شعر ہندی نیز خوب می گفت، چنانچہ شعرائے ہندی درحضور او سر فرو می آوردند و اصلاح کبت دوہہ می گرفتند" (سرو آزاد)

سید جلیل بلگرامی (مولوی غلام علی آزاد کے نانا) جو عالمگیر کے درباری تھے، ہندی زبان کے ممتاز شاعر تھے، فارسی قصیدون مین بھی کہین کہین بھاشا بول جاتے ہین، چنانچہ

ایک قصیدے مین لکھتے ہین،

اسیس دیکے، کہے ہندوی مین یون سمُت رہے جگت مین اچل باس یہ فیروز سدا

یہ ذوق اس قدر ترقی کرتا گیا، کہ محمد شاہ کے زمانہ مین جب راجہ جے سنگھ والی جےپور نے ہمین لاکھ کے صرف سے رصد خانہ قائم کیا، اور فن ریاضی کے ساتھ نہایت اہتمام کیا تو علمائے اسلام نے اس کے حکم سے شرح چغمینی اور ہیئت کی اور کتابون کا ترجمہ بھاشا زبان مین کیا، چنانچہ آزاد سبحۃ المرجان مین لکھتے ہین،

وقد نقل العلماء الاهاند بامر جي سنگه شرح الجغميني وغيره من كتب الهيئة والهندسة من العربية الى الهندية (سبحۃ المرجان ص ۱۳۵)

ہندوستان کے علماء نے جے سنگھ کے حکم سے شرح چغمینی وغیرہ کتابون کا جو علم ہیئت و ہندسہ مین تھی، عربی زبان سے ہندی زبان مین ترجمہ کیا،

شرح چغمینی اس درجہ کی مشکل کتاب ہے، کہ اردو مین اس کا ترجمہ نہین کیا جاسکتا، اس سے قیاس کرنا چاہیے کہ جو علماء بھاشا زبان مین اس کا ترجمہ کرسکے، ان کی بھاشا دانی کا کیا رتبہ ہوگا،

اسی زمانہ مین سید نظام الدین بلگرامی نے سنسکرت اور بھاشا کے علم ادب مین نہایت شہرت حاصل کی، سنسکرت کے حاصل کرنے کے لئے بنارس کا سفر کیا، اور وہان رہکر اس علم کی تکمیل کی، ہندی موسیقی مین اس درجہ کا کمال پیدا کیا، کہ لوگ اُن کو نایک کہتے تھے، چنانچہ اس فن کے متعلق بھاشا مین دو کتابین تصنیف کین، نادچندرکا، اور مدھنایک سنگار بھاشا مین مدھنایک تخلص کرتے تھے، ۱۱۰۵ھ مین وفات پائی، کلام کا نمونہ یہ ہے،

جو چترا نن چت چڑھے، نہ پڑھے، بدھ بیدلی، گرنتھ نہ گائے،

فرشتہ و لحاذل ترکیب وصورت عقلاً کہتا سماقی قدیم کتابین،

بھارتی، بھوری کری، بھرین، جپ، جوگن، جوگ انھیہ، گناے
گویائی سبحہ گردانی ریاضت مرتاض
جو کھ جوت جگی، نہ بھگی، مدھنا یک گھونگھٹ پنچل تاہے،
چہرہ روشنی نام شاعر شوخی
جھنین، دوکول چھپے جھلکی، انچھ، براجت، اچھ، رچھاے،
باریک دوپٹہ زیب دینا بے چنچل زلفیقہ کرنا

مطلب یہ ہی کہ تیری آنکھین نقاب کے اندر جس قدر خوش نما ہین، اس کی خوبی فرشتون کے خیال مین بھی نہین آسکتی، اور نہ آسمان کی کتابون مین انکی توصیف پائی جاتی ہی، قوت نطق خود محو حیرت ہی، اور زاہد مرتاض سبحہ گردانی سے بھی زیادہ اس کا مداح ہی، نقاب ان آنکھون کی خوبی کو چھپا نہین سکتی، بلکہ باریک دوپٹہ اس کی خوبی اور بھی دوبالا کر دیتا ہی،

ان کا اور بہت سا کلام سرو آزاد مین نقل کیا ہے، لیکن چونکہ ناظرین کے لئے وہ نامانوس صدا ہوگی، اس لئے ہم اس کو قلم انداز کرتے ہین،

سید رحمت اللہ پسر سید خیر الدین بلگرامی بھاشا زبان کے مشہور استاد تھے سلطنت کی طرف سے دو صدی منصب اور جاگیر مقرر تھے، اس زمانہ مین بھاشا کا مشہور شاعر چنتامن ایک ہندو تھا، اس کا ایک شاگرد رحمت اللہ کا شہرہ سن کر اُن کی خدمت مین حاضر ہوا، اور چنتامن کا دوہا ان کے سامنے پڑھا،

ہیوہ حرت ادکرت ات چنتامن چت چین
وامرگ ننینے کی لکھی واہی کی سی نین

سید رحمت اللہ نے اس دوہہ مین غلطی نکالی اور چنتامن نے سُنا تو غلطی تسلیم کر کے اس کی اصلاح کر دی، چنتامن نے سید رحمت اللہ کی مدح مین ایک دوہہ بھی لکھا، جس کا مطلع یہ ہے،

گرب، گھ سنگ جیون سبل گل گاج من ہر بل گج باج، دل، ساج، دھایو،
غرور شیر بطور توی اظہار دلیری زبردست ہاتھی گھوڑا فوج آراستہ حملہ کیا،

بجت اک جمک گھن گھمک دندبھن کی ترنگ، کھر، دھمک بھوتل ہلایو

ایک طرح پر — گردون شگاف — نقارہ — گھوڑے کا سم — زمین

سید رحمت اللہ نے ۱۳ ربیع الاول ۱۱۱۸ھ مین وفات پائی، اُن کے بہت سے دوہے

سرو آزاد مین نقل کئے ہین، ہم صرف ایک پر اکتفا کرتے ہین،

کر اچائے جمہائے تیر دھاری بھج یہ بھائے،

ہاتھ بلند کرنا، انگڑائی — بازو — یہ خوشنما معلوم ہوئی

منو چپلا دو لی چمک ہوئے گری بھوم پر آئے،

گویا — بجلی — زمین

یعنی محبوب نے جمہائی لیتے ہوئے جب دونون ہاتھ اٹھا کر نیچے کر لئے تو یہ معلوم ہوا کہ گویا دو بجلیان چمک کر زمین پر گر پڑین،

سید غلام نبی پسر سید محمد باقر، سید عبد الجلیل بلگرامی کے بھانجے تھے، ۲ محرم ۱۱۱۱ھ مین پیدا ہوئے، سید عبد الجلیل اس زمانہ مین عالمگیر کے ساتھ دکن کی مہم پر تھے، بھانجے کے پیدا ہونے کی خبر سُنی تو سالِ تاریخ کی فکر ہوئی، اسی حالت مین سو گئے، اور خواب مین یہ مادہ ہاتف آیا، ع

نور چشم باقر عبد الحمیدم

تفاول کے طور پر پیشین گوئی کی کہ یہ لڑکا شاعر ہوگا، خدا کی قدرت پیشین گوئی صحیح اُتری، اگرچہ عربی و فارسی مین مہارت رکھتے تھے، لیکن بھاشا کی شاعری مین نہایت کمال پیدا کیا، ۱۱۶۳ھ مین نواب وزیر اور افاغنہ کی لڑائی مین نواب کے ہمرکاب تھے، اور عین معرکۂ جنگ مین مارے گئے، مولوی غلام آزاد سے نہایت درجہ کا اتحاد تھا، چنانچہ آزاد نے تاریخ کہی

ع رقم کردہ ہے غلام نبی

بھاشا زبان مین ایک دیوان لکھا جس مین ۱۷۷ دوہے ہین، اسی کا نام انگ درپن رکھا، بھاشا مین ان کا تخلص رس لین ہے، رس کے معنی بھاشا مین دیدار کے ہین، اور لین کے

معنی محو کے ہین، درسلین کا لفظی ترجمہ محو دیدار ہے، ان کے کلام کا نمونہ یہ ہی:-

توحید

تیری منورتھ کو ہوت ہے، سپن لوک تون ہی ہوئی اکاش، کرت نکہت اودت ہے
مطلب اشارہ دنیا آسمان ستارے روشنی
تون ہی چار و تتو، سیل، تر، پس، پنچھی، ہوت تون ہی میگھ پوچی، کرت اور اگوت ہے
اربعہ عناصر پہاڑ، درخت چرند پرند بادل پیدا کرتاہو حساب بے حساب
تون ہی بن ناری پھرتا، کی رسلین ہوت تون ہی ہوئی کی ستر لبب این تن لوت ہے
عورت مثل دشمن
جاگ پڑین جھوٹون جیون سپن، لوگ ہوت تیو نہین اتما بچاری لوگ جاگت کو ہوت ہے
بیداری خواب روح

یعنی تیرے ہی اشارہ سے دنیا پیدا ہوتی ہے، توہی آسمان بن کر ستارون کو روشن کرتا ہی توہی اربعہ عناصر اور پہاڑ، درخت، چرند اور پرند بنجاتا ہی، توہی بادل بن کر بے حساب بارش کرتا ہی توہی عورت کے قالب مین آکر مرد کا راحت رسان ہی، توہی بالآخر موت کی صورت مین جان کا دشمن ہے توجس طرح کہ جاگنے کے بعد خواب بالکل وہم معلوم ہوتا ہو اسی طرح خداشناسون کے نزدیک یہ دنیا تمامتر خواب ہے،

سید برکت اللہ بہت بڑے فقیہ تھے، بھاشا مین شعر کہتے تھے، اور پیمی تخلص کرتے تھے، بھاشا مین جو اُن کی نظمون کا مجموعہ ہی اس کا نام خود پیم پرکاس رکھا تھا، سرو آزاد مین اُن کا بہت سا کلام نقل کیا ہی ہم صرف ایک دوہرہ نقل کرتے ہین،

انکھین جوگی کنٹھا گرین، ادرن سیام اور سیت
آنکھ گلا سرخ سیاہ سفید
آنسو بوند سمیرن لین درسن بھکھا ہیت
قطرہ تسبیح دیدار خیرات

یعنی آنکھین ایک ریاضت کش جوگی ہین، جو سُرخ، سیاہ اور سفید دانون کا مالا پہنے ہوئے اور آنسوؤن کی تسبیح لئے ہوئے دیدار کی بھیک کی طالب ہین،

ان بزرگون کے سوا اور بہت سے اہل کمال گذرے ہین جنھون نے بھاشا زبان کی

انشا پردازی اور شاعری مین نام وری حاصل کی، اور جن کے حالات مختلف تذکرون مین مل سکتے ہین، کیا ان واقعات کے بعد بھی ہمارے ہندو دوست کا یہ بیان قابل تسلیم ہے، کہ مسلمانون نے کبھی ہندو لٹریچر پر توجہ نہین کی، اور جو کرنا چاہتا تھا، وہ کافر قرار پاتا تھا، ہمارے ہندو دوستون کو یاد رکھنا چاہئیے کہ مسلمانون سے زیادہ بے تعصب قوم نہ صرف دنیا کی پچھلی تاریخ بلکہ موجودہ اور آیندہ زمانہ بھی قیامت تک نہ پیش کر سکے گا،

(الندوہ اکتوبر ۱۹۰۶ء)

تحفۃ الہند

مسلمانون کی توجہ برج بھاشا پر، برج بھاشا کا فن معانی وبیان

یاد ہو گا کہ ہمارے ایک معزز ہندو دوست نے اردوے معلّٰی مین ایک مضمون لکھا تھا جس مین اس پر معترضانہ افسوس ظاہر کیا تھا، کہ مسلمانون نے ۷سو برس تک اس ملک مین حاکم رہکر کبھی ملکی زبان کی طرف توجہ نہ کی، ہم نے اس کا جواب الندوہ مین بہ تفصیل دو نمبرون مین لکھا تھا، جس مین بتایا تھا کہ مسلمانون نے ہندوؤن کی زبان کے ساتھ کس قدر اعتنا، کیا، اور خود برج بھاشا مین کس درجہ کی قابلیت پیدا کی، یہ مضمون بھی اس سلسلہ کا گویا تتمہ ہے،

تحفۃ الہند جو ہمارے مضمون کا عنوان ہے ایک کتاب کا نام ہے جو اورنگ زیب عالمگیر کے زمانہ مین تصنیف ہوئی مصنف کا نام میرزا خان بن فخر الدین محمدؐ ہے دیباچہ مین لکھا ہے کہ مین نے یہ کتاب شہنشاہ عالمگیر کے زمانہ مین شہزادہ اعظم شاہ کے مطالعہ کے لئے تصنیف کی کتاب کا موضوع ہندوؤن کا فن بلاغت اور عروض و قافیہ وغیرہ ہے اس مین ۷ باب ہین،

۱- پنگل :- یعنی علم عروض

۲- تک :- یعنی قافیہ،

۳- النکار، یعنی علم بدیع

۴- سنرنگار رس :- یعنی عشق و محبت،

۵- سامدک :- یعنی علم قافیہ

۶- کوک :- یعنی علم النساء،

۷۔ لغاتِ ہندی، اس مین برج بھاشا کے ضروری کثیر الاستعمال الفاظ لکھے ہین
اور اُن کے معنی بتائے ہین،

یہ کتاب عالمگیر کے زمانہ مین تصنیف ہوئی ہی، اور اس کے سب سے چہیتے اور منظور نظر فرزند کے مطالعہ کے لئے تصنیف ہوئی ہے، عالمگیر کی نسبت اس کے مخالفون کا دعوی ہی کہ وہ تعصب کا دیوتا تھا، اور اُس نے ہندوؤن کی نہ صرف عمارات، بلکہ اُن کے لٹریچر کو بھی مٹا دینا چاہتا تھا، اور اس نے ان کی تمام درسگاہین اور پاٹ شالے بند کرا دیئے تھے، یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ یہ تاریخ کا مسلمہ مسئلہ ہی کہ عالمگیر ملک کے ایک ایک جزئی واقعہ سے اس قدر واقفیت رکھتا تھا، کہ کسی حصہ ملک کا ادنی سا واقعہ بھی اس کی نگاہِ تجسس سے مخفی نہین رہ سکتا تھا، باوجود اس کے برج بھاشا کو جس قدر اس کے زمانہ مین ترقی ہوئی مسلمانون نے جس قدر اس کے زمانہ مین ہندی کتابون کے ترجمے کئے، اور خود جس قدر برج بھاشا مین نظم ونثر لکھی، کسی زمانہ مین اس قدر ہندی کی طرف التفات نہین ظاہر کیا گیا تھا، چنانچہ اس کی تفصیل ہم ایک مستقل مضمون مین لکھ چکے ہین، یہ کتاب (تحفۃ الہند) اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے،

یہ ناممکن ہے کہ عالمگیر جو اپنے بیٹون کی ایک ایک حرکت سے خبر رکھتا تھا، اسکی نظر سے ایک ایسی کتاب جو اس کے محبوب ترین شہزادہ کے لئے لکھی جائے مخفی رہ جائے، نعمت خان عالی نے وقائع لکھی اور عالمگیر سے چھپانے کی بے انتہا کوشش کی لیکن چھپ نہ سکی،

اس کتاب مین سے ہم صرف صنائع وبدائع کے حصہ کا اقتباس درج کرتے ہین، جس سے اندازہ ہوگا کہ ہندی زبان کے فن بدیع کو عربی سے کیا نسبت ہے؟ اس موقع پر یہ بات بھی اظہار کے قابل ہے کہ مصنف نے ہندی صنائع وبدائع کی تفصیل لکھ کر چند

صنعتین خود اضافہ کی ہین، اُن کے خود نام رکھے ہین، اور ان صنعتون مین خود ہندی اشعار کہکر، درج کتاب کئے ہین جس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ مصنف کو خود اس زبان مین کیا قدرت تھی، یہ صنائع اکثر بلکہ قریبًا کل عربی سے لئے ہین، اور عربی نامون کا ترجمہ بھاشا مین کر دیا ہے،

بھاشا مین علم بدیع کو النکار کہتے ہین، چونکہ بلاغت کا اصلی کام جذبات اور احساسات پر اثر ڈالنا ہے، اس نے النکار کی تین قسمین قرار دی ہین۔

۱- نورس:- اس مین تمام احساسات کا استقصار کیا ہے اور ان کی نو قسمین قرار دی ہین جن کی تفصیل حسب ذیل ہے،

سرنگار رس، اس کی دو قسمین ہین سنجوگ، بیوگ سنجوگ، یعنی وصال و فراق،

ہاسیہ رس، مسرت وخوشی	کُرنا رس، رحم وہمدردی،
ویر رس، شجاعت وبہادری	رَودررس، غیظ وغضب
بھے رس، خوف وبیم،	بی بھیس رس، نفرت وکراہت،
شانت رس، سکون واطمینان،	اوبھت رس، استعجاب،

عربی اور فارسی زبان مین اس قسم کی سائنٹفک تقسیم نہین ہے، اور اس لحاظ سے ہندی کو فارسی اور عربی پر ترجیح ہے،

۲- نیگ کسی مضمون کو لطیف، نازک، اور شوخ پیرایہ مین ادا کرنے کو کہتے ہین، مثلًا عورت اپنے محبوب شوہر سے جو کسی اور عورت پر عاشق ہے کہتی ہے کہ پیارے! تیری پیشانی پر جو سُرخی ہے، یہ تیری سرخ ٹوپی کا عکس ہے، یا رقیبہ کی حنا کا اثر ہے،

سوال سے بظاہر صرف اس قدر مفہوم ہوتا ہے کہ عورت کو اپنے شوہر سے رقیبہ کے پاس جانے اور اس سے ملنے کی شکایت ہے، لیکن در پردہ وہ یہ بات ثابت کرنا چاہتی ہو کہ شوہر نے رقیبہ کے پاؤن پر پیشانی رگڑی ہے، جس سے پیشانی مین سُرخی آگئی ہے،

یہ وہ صنعت ہی جس کو عربی مین تعریف کہتے ہین،

سنسکرت کا انشا پرداز اس صنعت کو اس قدر وسعت دیتا ہے، کہ الفاظ، اور عبارت کی ضرورت نہین، صرف حالت کا دکھا دینا بھی اس صنعت مین داخل ہے، مثلاً محبوب رات بھر کا جاگا ہوا کسی صحبت سے آیا ہے، جس کی وجہ سے بال پریشان ہین، آنکھین مخمور ہین، انگڑائیون پر انگڑائیان آرہی ہین، عاشق زبان سے کچھ نہین کہتا، صرف آئینہ لاکر سامنے رکھ دیتا ہے، کہ یہ سب کچھ کہہ دے گا، یہ بھی اسی صنعت مین داخل ہے،

۳۔ اُپمان، اس کے معنی تشبیہ کے ہین، تشبیہ ایک نہایت لطیف صنعت ہے، عربی مین اس کو نہایت وسعت دی ہے، اور اس کی بہت سی قسمین کی ہین، بھاشا مین بعض باتین تو مشترک ہین، مثلاً ملکہ اپمان یعنی جب تشبیہ کے الفاظ مذکور ہون، مثل چون مثل وغیرہ،

لُپت اپمان، حرف تشبیہ مذکور نہین، لیکن مقدر ہے جیسے "قندِ لب" یعنی لب چون قند، اُس کو عربی مین استعارہ کہتے ہین،

لیکن بعض باتون مین جدت ہی، مثلاً

مالو اپمان تشبیہ کا یہ طریقہ عربی اور فارسی مین نہین پایا ہے، تو اس کا کوئی خاص نام نہین، یہ وہ صورت ہے کہ مشبہ بہ کے اجزا اور عوارض سے تشبیہ دیتے ہین، مثلاً چاند کی تشبیہ مین کہا جائے کہ وہ ایک باغ ہے، اس مین جو سیاہی ہے، وہ درختون کی چھاؤن ہے

اس کی کرنین درختون کی ٹہنیان ہین، اس کو تشبیہ مرکب کہہ سکتے ہین لیکن کسی قدر اس سے مختلف الصورۃ ہے،

شرنکھلا ایمان، اس مین سلسلہ بہ سلسلہ تشبیہ دیتے جاتے ہین، یعنی ایک چیز کو ایک چیز سے تشبیہ دی، پھر اس کو کسی اور چیز سے تشبیہ دی، پھر اس کو بھی کسی اور چیز سے تشبیہ دی،

اننیتی ایمان، یہ وہ صورت ہے جس کو فارسی مین تشبیہ الشی بنفسہ کہتے ہین، یعنی کسی شے کو خود اسی شے سے تشبیہ دینا، مثلاً فارسی مین

ع چو تو گر کسے باشد آن ہم توئی،

اردو مین آج کل کہتے ہین، وہ شخص آپ اپنا نظیر ہے،

حقیقت مین یہ مبالغہ کی ایک صورت ہی، یعنی جب یہ کہنا ہوتا ہے، کہ اس شخص کی نظیر نہین تو یون کہتے ہین، کہ وہ اپنا آپ ہی نظیر ہے، اور کوئی اس کا کوئی نظیر نہین، اس صنعت کو فارسی مین اور بھی ترقی دی ہے، یعنی یون کہتے ہین، کہ وہ خود بھی اپنا نظیر نہین، اردو مین کسی کا مصرع ہے، ع

تم سے جب تم ہی نہین پھر کوئی تم سا کیا ہو،

النکار، یہ ایک عام لفظ ہے، جس کے معنی صنعت و بدیع کے ہین، سنسکرت مین اسکی بہت سی انواع ہین، ان مین سے، از یادہ متداول ہین، جن کی تفصیل حسب ذیل ہی،

وترکسار النکار، یہ وہ صورت ہے کہ جس چیز سے ممدوح کو تشبیہ دیتے آئے ہین، اس مین عیب ثابت کیا جائے تاکہ محبوب کی ترجیح ثابت ہو، مثلاً سخاوت اور فیاضی مین ممدوح کو بادل سے تشبیہ دیتے ہین، لیکن عنصری کہتا ہے، ؎

او ہمی بخشد وہمی گرید　　　تو ہمی بخشی وہمی خندی

یعنی بادل برستاہے تو روتا جاہے، اور تو برستاہے تو ہنستاہے،

درودہا بھاس النکار، یعنی عبارت کے معنی واقع مین صحیح ہون لیکن بظاہر غلط معلوم ہون، جب ایک لفظ کے معنی مختلف ہوتے ہین، تو اس صنعت سے کام لیتے ہین، مثلاً بھاشا مین سیام سیاہ کو بھی کہتے ہین، اور معشوق کو بھی، اسی طرح لال سُرخ کو بھی کہتے ہین اور محبوب کو بھی، اب اگر یہ کہا جائے کہ "سیام زرد" ہے، تو بظاہر غلط ہوگا، کیونکہ سیاہ چیز زرد نہین ہوسکتی، لیکن اگر سیام کے معنی محبوب کے لئے جائین تو یہ جملہ صحیح ہوسکتا ہی،

عربی مین اس صنعت کو نہایت وسعت دی گئی ہی مقاماتِ حریری مین سو فقہی سوال اور جواب ہین، جوابات تمامتر غلط معلوم ہوتے ہین لیکن واقع مین صحیح ہین، مثلاً ایک سوال یہ ہے کہ اگر کوئی شخص وضو کے بعد نعل کو چھوئے تو کیا حکم ہے، جواب دیا ہی کہ "وضو ٹوٹ جائیگا" نعل عربی مین جوتی کو کہتے ہین، اور یہ معنی زیادہ متداول ہین، لیکن نعل عورت کو بھی کہتے ہین اور شافعیون کے نزدیک عورت کے چھونے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے،

سکارن ات برجھیا، حسنِ تعلیل کو کہتے ہین، یہ صنعت عربی اور فارسی مین بہت مستعمل ہی بھاشا مین اس کے نہایت لطیف نئے نئے پیرایے ملتے ہین، مثلاً چاند معشوق کا حسن چرا کر آسمان پر بھاگ گیا، اسی وجہ سے ہمیشہ چور دن کی طرح رات کو نکلتا ہے، فارسی کا شاعر کہتا ہے، ؎

از شرمِ ابروانِ بلندِ تو ماہِ نو   خود را چنان نمود کہ کس دید و کس ندید

یعنی معشوق کے ابرو کی شرم سے، ماہِ نو اس طرح چھپ کر نکلا کہ کسی نے دیکھا، کسی نے نہین دیکھا،

اکارن ات برجھیا: مبالغہ اور اغراق کو کہتے ہین،

انکرن النکار، لف و نشر کو کہتے ہین،

سندیہا النکار، یعنی دو چیزون مین جان بوجھکر شک کرنا، مثلاً یون کہین کہ یہ چہرہ ہے یا چاند زلف ہے یا سانپ، عربی مین اس کو تجاہل عارفانہ کہتے ہین،

سیچمان النکار، یعنی الفاظ و عبارت کے بغیر کسی مطلب کو محض اشارے و کنایے سے ادا کرنا، مثلاً عاشق معشوق سے سوال کرتا ہے کہ مین کب آؤن ؟ معشوق کچھ جواب نہین دیتا بلکہ اس کی بجائے گورے چٹے آدمی کو نیلگون برقع پہنا کر بھیجتا ہے جس سے یہ اشارہ ہوتا ہے کہ جب چاند ڈوب جائے اور تاریکی چھا جائے، تب آنا،

اینا اپدیسار النکار، کسی پر بات ڈھال کے کہنا، مثلاً ایک وفاکیش معشوقہ کا عاشق آیا ہے، وہ دوسرے شخص کی طرف مخاطب ہو کر کہتی ہے کہ آہ آج میرا شوہر ایک کام کو گیا ہے" ساس بھی کہین گئی ہے اگائے بھینس کا باندھنا مجھ پر کس قدر شاق ہے، اور اندھیری رات مین مجھ کو سخت ڈر معلوم ہوتا ہے، لیکن ان باتون کا اصلی مخاطب درحقیقت عاشق ہے، اردو فارسی مین اس کی مثالین نہایت کثرت سے مل سکتی ہین، لیکن مصنف نے جو مثال دی ہے، اس سے ہندوستان کی قدیم طرز معاشرت کا اندازہ ہوتا ہے،

ات سیوکت النکار اس کی چار قسمین ہین، یعنی

نگر جادھو سان یعنی مشبہ بہ کو ذکر کر کے مشبہ مراد لیتے ہین، مثلاً یہ کہ چاند، سانپ، ہرن، چیتا، میرا دل اوڑا لے گئے، رخسار، زلف، آنکھ، کمر کو چاند، سانپ، ہرن اور چیتے سے تشبیہ دیتے ہین لیکن اس جگہ خود ان چیزون کو بول کر رخسار وغیرہ مراد لیا ہے،

کرکتیا نتھا بھان، اس مین تشبیہ کا شائبہ بھی باقی نہین رہتا، اور نہ مشبہ و مشبہ بہ کا ذکر ہوتا، بلکہ مشبہ کی نفی کر کے اس کو عین مشبہ بہ فرض کر لیتے ہین، مثلاً کہتے ہین کہ اب تم وہ نہین ہے

بلکہ دوسری چیز ہو گئے،

کارن کاریج پرجی، اس صنعت مین مسبب سبب سے پہلے واقع ہوتا ہے، مثلاً جرم مواخذہ کا سبب ہے، لیکن یون کہتے ہین، اس شہر مین عجیب رسم ہے کہ گناہ کرنے سے پہلے مواخذہ کرتے ہین،

جدیارتہ، اس مین مشبہ کو مشبہ بہ پر ترجیح دیتے ہین، مثلاً چاند سے معشوق کو تشبیہ دیتے ہین، لیکن اگر یون کہین کہ چاند معشوق کے برابر اس وقت ہو سکتا ہے، کہ اس کے یاقوت کے مثل لب، موتی کی طرح دانت، سانپ کی طرح زلف اور ہرن جیسی آنکھین ہون،

عربی و فارسی مین اس کی مثالین کثرت سے ہین،

اچھر جھپکا النکار، یعنی صنعتِ سوال و جواب، فارسی مین یہ صنعت نہایت کثرت سے مستعمل ہے لیکن بھاشا مین یہ جدت ہے کہ مسلسل سوالات کئے جاتے ہین، اس کے بعد صرف ایک ایسا مفرد لفظ بولتے ہین جو کل سوالون کا جواب ہوتا ہے، مثلاً ان سوالات کے جواب مین کہ "زمین و زمان کی روشنی، بینائی، انسان کی معاش کا سبب کیا ہے"؟ صرف عین کا لفظ کافی ہوگا، کیونکہ عین آفتاب، آنکھ سونا کو کہتے ہین، اور وہ ان سوالات پر حاوی ہے،

بھرمان النکار، مغالطہ مین پڑنا، مثلاً یہ کہ میرا دل معشوق کے تل کو دانہ سمجھ کر اس کی زلف کے جال مین جا پھنسا، ایک ہندی شاعر نے اس مضمون کو عجیب لطیف پیرایے مین ادا کیا ہے، وہ کہتا ہے کہ ایک بھونرا طوطے کی چونچ کو ڈھاک کا پھول سمجھ کر رس چوسنے کے لئے اس پر جا بیٹھا، طوطے نے اس کو جامن کا پھل سمجھا اور نگل گیا،

ان صنائع مین سے ہم نے بہت سے چھوڑ دیئے، جس کی وجہ یہ ہے کہ اولاً تو ان مین سے بہت سے فارسی اور عربی مین بہ کثرت مستعمل ہین، دوسرے سنسکرت الفاظ کا تلفظ ہم سے صحیح

ادا نہین ہوتا،

اس موقع پر یہ نکتہ خاص لحاظ کے قابل ہے کہ اگرچہ ہمارے انشا پردازون نے سنسکرت اور برج بھاشا کے علم ادب کے نکتہ نکتہ کو سمجھا اور اس سے بہت فائدہ اٹھایا لیکن اس کے فیض سے وہی محروم رہ گیا، جو سب سے زیادہ حقدار تھا، یہ ظاہر ہے کہ اردو بھاشا سے نکلی اور اُس کے دامن مین پلی لیکن بھاشا سے جو سرمایہ اس کو ملا، صرف الفاظ تھے، مضامین اور خیالات سے اس کا دامن خالی رہا۔ بخلاف اس کے عربی زبان جس کو بھاشا سے کسی قسم کا تعارف نہ تھا، وہ سنسکرت اور بھاشا دونون سے مستفید ہوئی، (تفصیل اس کی آگے آئے گی)

اس کی وجہ یہ ہوئی کہ آج سے ۵۰ برس پہلے مسلمان اردو کو کوئی علمی زبان نہین سمجھتے تھے خط کتابت تک فارسی مین تھی، اردو شعرا جس قدر گذرے، اُن مین سے ایک بھی عربی کا فاضل نہ تھا، یا یون کہو کہ کوئی عالم اردو کو اس قابل نہین سمجھتا تھا کہ اس مین انشا پردازی یا شاعری کا کمال دکھائے، علمی زبان اس وقت صرف عربی تھی، اس لئے جہان سے جو سرمایہ ملتا تھا اسی کے خزانہ مین جمع کیا جاتا تھا، بہرحال ہندی شاعری کے مضامین، عربی زبان مین بعینہ نقل ہوئے یعنی علماے ادب نے سنسکرت اور بھاشا کی نظمون کا بعینہ عربی مین ترجمہ کیا ہم چند مثالین ذیل مین لکھتے ہین، یہ مثالین سبحۃ المرجان سے لی گئی ہین، مولوی غلام علی آزاد نے ہر جگہ تصریح کر دی ہے، کہ وہ ہندی سے ترجمہ کی گئی ہین،

لقد نحلت فی یوم راح حبیبہا | الی ان ھوت من ساعدیہا نضادھا

ولمّا اتاھا مخبر عن قدومہا | علی ساعد الملآن ضاق سوارھا

(یہ یاد رکھنا چاہئے کہ ہندی مین عاشق عورت ہے اور مرد معشوق ہے)

یعنی جس دن معشوق نے سفر کیا مین اس قدر دبلی ہوگئی کہ ہاتھ کے کڑے ڈھیلے ہو کر

گر پڑے، لیکن جس دن قاصد نے آکر معشوق کے آنے کی خبر دی، اور مین نے کڑون کو پہنناچاہا تواب وہ تنگ ہو گئے اور چڑھتے نہ تھے،

مالاح فی شفتیک کحل راق — انی ابینہ بحسن بیان

ختمت علی شفتیک ذات تدلل — کیلا تکلمنی علی الاحیان

واقعہ یہ ہے کہ شوہر کسی اور محبوبہ سے مل کر آیا ہے، اور چونکہ اُس نے اُس کی سرمگین آنکھوں کو چوما تھا، اس لئے اُس کے ہونٹون پر سیاہی لگ گئی ہے اب عورت شوہر سے کہنے آئی ہے کہ تیرے ہونٹون پر جو سیاہی ہے، مین بتاؤن کیون ہے اور کہان سے آئی ہے، کسی کافرادا نے تیرے ہونٹون پر مہر کردی ہے کہ تو کبھی مجھ سے بات نہ کرے،

رات المهاة العامرية صدره — بالظفر مکلوما فقالت مرحبا

هذا هلال تبتغیه طبیعتی — روحی فداءک لا لعبا

ایک بھولی کمسن عورت نے اپنے شوہر کے سینہ پہ ناخن کا خراش دیکھا، جو ناخن کے مشابہ تھا، بھولے پن سے شوہر سے کہتی ہے کہ یہ تو نئی رات کا چاند ہے مجھکو بہت پیارا معلوم ہوتا ہے مجھکو دیدو مین اس سے کھیلون گی،

بات المحب مع الحسناء بارحة — حتی بدی حاجب من اعظم الشهب

وزاد زوجته فی الصبح فانقبضت — لما رات طرف المحمر کالسکب

قالت فتاة لها فی العین منعکس — یاقوت سیمک النفر عن لهب

تبسمت من سماع القول واضعة — فضل الخمار علی ضوء من الشنب

فصار یغضب للصهباء کیف غدت — تحلی رضابک وازورت عن الاذب

قالت له لا تکن غضبان مرحمة — فهمت طرفک محمر عن الغضب

شوخیِ ادا، عارفانہ تجاہل اور نزاکتِ خیال کی اس سے بہتر مثال نہین مل سکتی، اور صرف ان اشعار سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ بھاشا کی شاعری کس قدر لطیف اور نازک ہی، صورتِ حال یہ ہے کہ شوہر رات بھر کا جاگا ہوا کہین سے آیا ہے اور اس کی آنکھین سرخ ہین، عورت کو بدگمانی ہوتی ہے کہ کسی محبوبہ کے ہان رات گذاری ہے، اس لئے آنکھین سرخ ہین، ایک سہیلی بدگمانی کو مٹانا چاہتی ہے اور کہتی ہے کہ نہین، یہ تمھارے ہونٹون کی سرخی کا عکس ہے، عورت شرما کر آنچل کا گوشہ مُنہ پر رکھ لیتی ہے، (اس سے اصل مین یہ غرض ہی کہ اگر ہونٹون کی سرخی تھی، تو وہ آنچل مین چھپ گئی، اب کیون سرخی نظر آتی ہے) شوہر غصہ کی صورت بنا کر کہتا ہے کہ شراب کو کیا حق ہے جو تیرے آبِ دہن کا مقابلہ کرے، عورت کہتی ہے آپ غصہ نہ ہون، مین سمجھی آپ کی آنکھین غصہ کی وجہ سے سُرخ ہین،

اردو زبان مین اگر اس لطافت کی کوئی نظیر ہے تو یہ شعر ہے،

نہ مین سمجھا نہ آپ آئے کہین سے
پسینہ پونچھیے اپنی جبین سے

جس زمانہ مین مولوی غلام علی آزاد بلگرامی اورنگ آباد دکن مین تھے، ان کے ماموں مولینا طفیل احمد نے بلگرام سے ایک ہندی نظم عربی مین ترجمہ کرنے کے لئے بھیجی، آزاد نے حسب ذیل اسکا ترجمہ کیا (سبحۃ المرجان ص ۲۵۰)

زارت سعاد بلا وعد فقلت لھا ... یا مرحبا بک من القاک فی التعب
قالت لقد جاء فی غیم وکلفنی ... انی اجوب الیک الارض بالھدب
فقلت کیف طویت الارض ماشیۃ ... وقت الدجی وسکوب الدمع من سحب
قالت ھل انی شعاع البرق مرحمۃ ... فمتلد سرت فی القیعان والکتب

فقلت سیرک فی جنح الدجی غلط　　بلا رفیق شریک فی خطی الطلب

قالت خیالک طول السیر کان معی　　فی حالۃ عن تجالا العین لم یغب

یعنی معشوقہ میرے پاس اچانک آئی مین نے کہا خیر ہے؟ اس وقت کیونکر تکلیف کی، بولی کہ بادل آگئے، انھون نے مجھکو آمادہ کیا کہ تیرے پاس آؤن مین نے کہا رات اور بادل کی تاریکی مین راستہ کیونکر نظر پڑا، بولی کہ بجلی نے رہنما ساتھ کر دیا تھا، مین نے کہا لیکن رات کو اکیلے سفر کرنا، کسی طرح مناسب نہین، بولی کہ مین تنہا نہین آئی، تیرا خیال برابر میرے ساتھ رہا، اور ساتھ آیا،

واقعات مذکورۂ بالا کو پڑھکر ایک دفعہ اور ہمارے ہندو دوست کے وہ الفاظ یاد کرو کہ "مسلمانون نے کبھی ہندوستان کے لٹریچر سے فائدہ نہین اٹھایا" ہم وہ لوگ ہین کہ

ہیچ گہ ذوقِ طلب از جستجو باز م نہ داشت

دانہ می چیدم من آن روزے کہ خرمن داشتم

(الندوہ، فروری ۱۹۱۱ء)

سلسلۂ رقعاتِ عالمگیر

مقدمۂ رقعاتِ عالمگیر

اس مین رقعات پر مختلف حیثیتون سے تبصرہ کیا گیا ہی جس سے اسلامی فنِ انشاء، شاہانہ مراسلات کی تاریخ ہندوستان کے صیغۂ انشا کے اصول نہایت تفصیل سی معلوم ہوتے ہین، بالخصوص خود عالمگیر کے انشاء، اس کی تاریخ کے ماخذ اور عالمگیر کی ولادت سے برادرانہ جنگ تک کے تمام واقعات و سوانح پر خود ان خطوط و رقعات کی روشنی مین تنقیدی بحث کی گئی ہے،

ضخامت   صفحے

قیمت :- ﷲ ۵ر

رقعاتِ عالمگیر

اورنگ زیب عالمگیر کے وہ تمام خطوط و رقعات جو زمانہ شہزادگی سے برادرانہ… تک اعزہ کے نام لکھے گئے ہین، اور جن… علم و ادب، سیاست اور تاریخ کے بیش… حقائق کا انکشاف ہوتا ہی اس جلد مین… کردئے گئے ہین اُن سے نہ صرف اس عہد… تاریخ اور سیاست پر روشنی پڑتی ہی بلکہ عا… کے فضل و کمال اور فارسی انشا پردازی کا… بے مثل نمونہ بھی ہین جن سے اربابِ ادب متمتع ہوسکتے…

ضخامت   صفحے

قیمت :- للعہ

مرتبۂ

پروفیسر سید نجیب اشرف صاحب ندوی لکچرار اردو اسماعیل کالج بمبئی

(اعظم [illegible])

